

جامعہ حقانیہ کاترجمان

سہ ماہیہ
سرگودھا

الحقانیہ

مجلہ

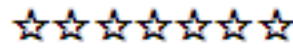
جلد ۳ رجب الثانی ۱۴۲۹ھ ○ اپریل ۲۰۰۸ء شمارہ ۴



بانی فقیر العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور زیدی قدس سرہ

ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ اپریل ۲۰۰۸ء فہرست

	اسلام اور غیر اسلام مملکتوں کی توہین کے خلاف
3	قانون سازی کی ضرورت..... مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم
7	انتخابی نتائج اور موجودہ حکومت..... / " "
9	درس قرآن کریم..... " " "
11	درس حدیث..... شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ
13	ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ..... از قلم حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ
15	اصلاحی مکتب..... فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ
	دستور اسلامی کی جدوجہد میں علماء کرام کا کردار اور
17	آسپلی کی ذمہ داری..... فقیہ العصر مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ
29	مکالمہ بین المذاہب اور اس کا تصور..... خطاب مولانا قاری محمد حنیف جالندھری مدظلہم
32	احکام القرآن مفتی عبدالشکور ترمذی کا منہج تحقیقی جائزہ..... مفتی محمد عبداللہ چنیوٹی
36	شیخ القراء قاری محی الاسلام پانی پتی رحمہ اللہ..... پروفیسر ایم۔ اے۔ عثمانی
40	وفات شیخ الحدیث حضرت مولانا قاری محمد یوسف..... حافظ سمیع اللہ طاہر شیخوپورہ
43	الاستفتاء..... فقیہ العصر مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ
48	تعارف و تبصرہ.....



بسم اللہ تعالیٰ

اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ

کی توہین کے خلاف قانون سازی کی ضرورت

علماء کرام کا متفقہ مطالبہ

ڈنمارک اور ہالینڈ نے حضور نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی اور قرآن کریم کے خلاف شرمناک فلم کی نمائش کر کے ڈیڑھ ارب مسلمانوں کی سخت دل آزاری کی ہے۔ حکومت پاکستان نے ہالینڈ کے سفیر کو دفتر خارجہ میں طلب کر کے اس پر سخت احتجاج کیا ہے، سرکاری ترجمان نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ اسلام امن، رواداری اور مختلف مذاہب کے درمیان ہم آہنگی کا درس دیتا ہے، لیکن یہ بات انتہائی غیر منصفانہ ہے کہ بعض عناصر ہم آہنگی اور بقائے باہمی کو نقصان پہنچانے کیلئے اتنا آگے نکل جاتے ہیں اور دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے جذبات کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

اس وقت پورا عالم اسلام اس مازیبا اور شرمناک حرکت پر سراپا احتجاج ہے، لیکن اس تمام احتجاج کے باوجود مغربی ممالک میں یہ ناپاک سلسلہ بڑھتا جا رہا ہے اور مغرب آزادی اظہار رائے کے نام پر اس گستاخی اور توہین کو جائز قرار دے کر دنیا کو دھوکہ دینے کی ناکام کوشش کر رہا ہے، بہر حال موجودہ مغربی رویہ کا تقاضا ہے کہ اس مکروہ سلسلہ کا مؤثر سد باب کیا جائے۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی دامت برکاتہم نے اسی مقصد کیلئے اسلامی ممالک کی تنظیم ’او۔آئی۔سی‘ کے جنرل سیکرٹری سے ایک تحریر میں مطالبہ کیا ہے کہ وہ اس مذموم سلسلہ کی روک تھام کیلئے مؤثر کردار ادا کریں۔

اس تحریر پر مختلف مکاتب فکر کے جید علماء کرام کے دستخط بھی ثبت ہیں، اور اس میں پورے عالم اسلام کے مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کی گئی ہے۔ اس تحریر گرامی میں مسئلہ کے حل کیلئے جو

مطالبات اور ہدایات دی گئی ہیں ان پر عمل کرنے سے ہی یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے، اس لئے ہمارا یہی مطالبہ ہے کہ ان مطالبات پر فوری عمل کیا جائے تاکہ ڈیڑھ ارب مسلمانوں کو اس عظیم پریشانی، مصیبت اور صدمہ سے نجات حاصل ہو واللہ الموفق والمعين۔

احقر کو یہ عربی تحریر بذریعہ فیکس موصول ہوئی، ذیل میں اس کا اردو ترجمہ برائے ملاحظہ قارئین الحقتانیہ پیش خدمت ہے۔

مکتوب گرامی بنام جنرل سیکرٹری رابطہ عالم اسلامی

عزت مآب محترم جناب ڈاکٹر اکمل الدین احسان اوغلو صاحب!

سیکرٹری جنرل او۔ آئی سی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ حقیقت جناب سے مخفی نہیں ہے کہ اسلام اور امت مسلمہ کے معاندین نے کس طرح ناپاک جسارت کر کے توہین آمیز کارٹون اور خاکے شائع کر کے مسلمانوں کے جذبات کو بھڑک کر رکھ دیا ہے۔ اسلام کے علمبردار، جن کے دل نبی کریم ﷺ کی محبت سے دھڑکتے ہیں بلاشبہ اس محبت کو اپنے لئے متاع گراں مایہ سمجھتے ہیں اور اپنے نبی ﷺ کی آن پر جان قربان کرنے کو اپنی زندگی کی عظیم سعادت قرار دیتے ہیں۔

اس حقیقت کا بھی آپ کو علم ہے کہ جب یہ خاکے کچھ عرصہ قبل پہلی دفعہ شائع ہوئے تھے تو مشرق و مغرب کے مسلمانوں نے اس بیہودہ حرکت کے خلاف بھرپور احتجاج کیا تھا، اس وقت جناب نے بھی اس ضمن میں مؤثر اور جرأت مندانہ موقف اپنایا تھا جزاکم اللہ خیراً۔ لیکن بجائے اس کے کہ یہ پست ذہنیت اس وسیع اور بھرپور احتجاج کو دیکھ کر انسانی شرافت کی راہ اپناتی، افسوس ناک بات یہ ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں مزید تیزی آ گئی ہے اور اب ڈنمارک کے سترہ اخبارات نے ایک دفعہ پھر شرمناک حرکت کر کے یہ توہین آمیز خاکے دوبارہ شائع کر دیئے ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ لوگ اس کائنات کے سب سے افضل رسول ﷺ کی شان میں گستاخی اور امت مسلمہ کی دل آزاری کیلئے اپنے ان نفرت انگیز کرتوتوں کو آئندہ بھی جاری رکھنا چاہتے ہیں۔

قابل فکر بات یہ ہے کہ اتنے بڑے پیمانے پر اخبارات کا ان خاکوں کو شائع کرنا اور ڈنمارک

حکومت کی طرف سے اس کانٹس نہ لینا اس کی غمازی کرتا ہے کہ یہ سب کچھ اتفاقی طور پر یا نادانی اور ناچینگی سے نہیں ہوا بلکہ حالات گواہ ہیں کہ یہ طرز عمل اسلام اور امت مسلمہ کے خلاف باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ خوفناک سازش کا حصہ ہے۔

دوسری طرف یہ بھی کوئی اتفاقی بات نہیں ہے کہ ہالینڈ کی پارلیمنٹ کے ایک ممبر نے بھی عین اسی وقت ناپاک جسارت کر کے قرآن کریم پر فلم بنا ڈالی ہے جس میں اس آخری آسمانی کتاب کی توہین اور اس کی عظمت کو مجروح کیا گیا ہے۔ یہ شرمناک طرز عمل بھی خسیس ذہنیت اور قرآن عظیم کے خلاف کھلی دشمنی کی علامت ہے، اور باوجود اس کے کہ ہالینڈ کی حکومت نے اس فلم کی نمائش کو روکنے کیلئے نیم دلانہ اقدامات کئے ہیں فلم سازی کی طرف سے اس فلم کو مستقبل قریب میں نمائش کیلئے پیش کرنے کا اعلان بھی آیا ہے، جبکہ ہالینڈ حکومت اس بیہودہ حرکت پر مؤثر قدغن لگانے میں بے بس نظر آتی ہے کہ اس جیسی مجرمانہ حرکت کے خلاف کوئی قانون دستیاب نہیں ہے۔

جس شخص کو اسلام اور مسلمانوں کی تائید کا تاریخ کے بارے میں کچھ بھی معلومات ہوں اس پر یہ مخفی نہیں ہے کہ مسلمانوں نے غیر مسلموں کے ساتھ سنجیدہ علمی گفتگو سے کبھی بھی دریغ نہیں کیا اور اس طرح کا کوئی ایک واقعہ بھی پیش نہیں کیا جاسکتا جس میں مسلمانوں کی طرف سے کسی مذہب کی مقدس شخصیات کی کردار کشی اور اہانت کی گئی ہو۔ قرآن کریم شرک کا سخت مخالف ہونے کے باوجود مسلمانوں کو اس کی اجازت نہیں دیتا کہ جن بتوں کی مشرکین پرستش کرتے تھے ان کو گالی دی جائے، قرآن کریم کا ارشاد ہے ”نہ گالی دو ان کو جن کی یہ اللہ کے سوا پرستش کرتے ہیں“۔

مغرب کے ان لوگوں کا ایک طرف تو یہ دعویٰ ہے کہ وہ ادیان و مذاہب کے احترام، رواداری اور پرامن بقائے باہمی کے علمبردار ہیں جبکہ دوسری طرف انہوں نے اسلامی معتقدات کے خلاف برملا تمسخر، اہانت، نبی کریم ﷺ اور آسمانی کتاب کے خلاف ناپاک اور بے بنیاد افتراء پر دازی شروع کر رکھی ہے ”بلاشبہ ان کے دلوں کی نفرت اس سے کہیں زیادہ ہے جو ان کی زبانوں پر ہے“ (قرآن کریم)

اب وقت آ گیا ہے کہ اس تشویشناک صورت حال کے خلاف جرأت مندانہ اور باوقار موقف اختیار کیا جائے کہ یہ جارحانہ طرز عمل جہاں پورے عالم کے مسلمانوں کے جذبات و احساسات کو پامال کر رہا ہے وہاں اس سے عالمی سطح پر امن و سلامتی کو بھی خطرات لاحق ہیں۔ ہمیں چونکہ اس ضمن

میں جناب کی دلچسپی اور فکر مندی کا علم ہے اس لئے اس سلسلے میں چند تجاویز پیش خدمت ہیں:

(۱) یہ نہایت ضروری ہے کہ ”او۔ آئی۔ سی“ ان خاکوں اور امکافی طور پر نشر ہونے والی فلم کے خلاف صرف زبانی طور پر احتجاج ریکارڈ کرائے پر اکتفاء نہ کرے بلکہ تمام اسلامی ممالک اس ناپاک جسارت کے خلاف مؤثر عملی قدم اٹھائیں اور متعلقہ مغربی ملکوں پر زور دیا جائے کہ وہ اس سلسلے میں اس طرح کی حرکتوں کو قابل سزا جرم قرار دینے کیلئے باقاعدہ قانون بنائیں اور ان شرمناک حرکتوں کا مکمل سدباب کیا جائے۔ اور یہ کہ اظہار رائے اور نقطہ نظر کی آزادی کی آڑ لے کر مہمل اور ناقابل قبول اعذار کو اس طرح کی شرمناک حرکتوں کیلئے وجہ جواز نہ بنایا جائے، اس لئے کہ مقدس شخصیات اور آسمانی کتابوں کی توہین کا آزادی اظہار رائے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیا یہ عالمی سطح پر تسلیم شدہ حقیقت نہیں ہے کہ کسی بھی عام آدمی کی ساکھ خراب کرنا قابل سزا جرم ہے جس کیلئے ہر ملک میں قانون نافذ ہے اور اس کو آزادی اظہار رائے کے قانون سے متصادم نہیں سمجھا جاتا۔ ایسے حالات میں انبیاء اور کتب مقدسہ کے خلاف جارحانہ توہین آمیز اور شرمناک حملوں کو کس طرح جائز کہا جاسکتا ہے؟ اور کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ بہت سے مغربی ملکوں نے یہودی ہولوکاسٹ کے واقعات میں شک و تردید کو جرم قرار دیا ہے جبکہ ہولوکاسٹ پر گفتگو سے نہ کسی کی توہین ہوتی ہے اور نہ کسی کا تمسخر ہوتا ہے۔

(۲) ہالینڈ کی حکومت سے باقاعدہ مطالبہ کیا جائے کہ وہ اس شرمناک فلم کو روکنے کیلئے مؤثر قانونی اور انتظامی اقدامات بروئے کار لائے۔

(۳) اگرڈنمارک کی حکومت اب بھی اخبارات کے ان شرمناک اور توہین آمیز خاکوں کو مجرمانہ حرکت قرار نہیں دیتی تو ایسی صورت حال میں ”او۔ آئی۔ سی“ تمام اسلامی ممالک سے اس متعصب ملک کے خلاف تجارتی مقاطعے کی مؤثر اپیل کرے۔

(۴) ”او۔ آئی۔ سی“ اور اس میں شامل تمام مسلم ممالک کو فوری طور پر ایسی مؤثر کوشش کرنی چاہئے کہ ”یو۔ این۔ او“ کی سطح پر ایسا عالمی قانون پاس کرایا جائے جس کی رو سے انبیاء اور کتب مقدسہ کی توہین کو سنگین جرم قرار دیا جائے۔

ہمیں امید ہے کہ ان تجاویز کو آپ سنجیدگی سے لیں گے اور مسلمانوں کے خلاف اس جارحانہ، توہین آمیز اور شرمناک طرز عمل کی مؤثر پیش بندی کیلئے ہر مناسب اور مؤثر قدم اٹھائیں گے۔ والسلام

انتخابی نتائج اور موجودہ حکومت

۱۸ فروری ۲۰۰۸ء پاکستان کی تاریخ میں اس لحاظ سے ایک اہم دن شمار ہوتا ہے کہ اس روز پورے ملک میں قومی و صوبائی اسمبلی کے انتخابات منعقد ہوئے اور پاکستان کی عوام نے اپنا حق رائے دی استعمال کیا اور اپنے اپنے حلقہ میں اپنی پسند کے امیدواروں کو ووٹ ڈالے جس کے نتیجہ میں زیادہ ووٹ حاصل کرنے والے امیدوار کامیاب قرار پائے اور یوں قومی و صوبائی اسمبلی کے ممبران کے انتخاب کا مرحلہ مکمل ہوا۔

اگرچہ ووٹ ڈالنے والے حضرات کی تعداد اڑتالیس فیصد بتائی جاتی ہے تاہم انتخابی نتائج سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ عوام صدر پرویز کی پالیسی اور ق لیگ کی حکومت سے سخت متنفر ہیں، عوام کا شدید رد عمل انتخابی نتائج سے اظہر من الشمس و ائین من الامس ہے۔ ق لیگ کی طرح اگر صدر صاحب بھی عوام و خواص کے اس فیصلہ پر تسلیم خم کر دیں تو امید ہے کہ اس سے ملکی مسائل حل ہونے کی راہ آسانی ہموار ہو سکے گی۔ عوام نے پاکستان پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ نواز لیگ کی بھرپور حمایت کر کے ان پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ اس وقت پاکستان پیپلز پارٹی مسلم لیگ نواز لیگ اور بعض دیگر جماعتوں سے مل کر متفقہ وزیراعظم بنا چکی ہے، وزیراعظم اور تمام اراکین قومی اسمبلی نے حلف بھی اٹھالیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ملک اور قوم کیلئے اس تبدیلی کو مبارک فرمائیں۔

اس وقت ملک مختلف قسم کے جن سنگین بحرانوں سے دوچار ہے ان کے تناظر میں موجودہ حکومت کیلئے قلمدان وزارت ایک عظیم چیلنج ہے۔ اگر یہ مخلوط حکومت عوام کو ان کے مال، جان اور عزت کے تحفظ دینے اور ملک سے مہنگائی، بد امنی، لوٹ مار ختم کرنے میں کامیاب ہوگئی تو پھر بلاشبہ عوام کی خواہش کے مطابق یہ ایک مثالی حکومت کہلانے کی مستحق ہوگی، اور اگر ارباب اقتدار ملی و قومی مسائل حل کرنے کی بجائے غیر ضروری امور میں منہمک رہے یا باہم اتفاق و اتحاد قائم نہ رکھ سکے تو پھر عوام کیلئے مصیبت بالائے مصیبت والا معاملہ ہوگا لا فعلہا اللہ تعالیٰ۔

ہمارے خیال میں مذکورہ تمام تر ذمہ داریوں کے ساتھ موجودہ حکومت کی ایک اہم ذمہ داری یہ بھی ہے کہ جہاں وہ مملکت کی سرحدوں کی حفاظت ضروری سمجھتی ہے اسی طرح اس کو اس ملک کے

نظریات کی حفاظت کا فریضہ بھی اپنے ذمہ سمجھنا چاہئے۔ یہ حقیقت کسی سے مخفی نہیں کہ یہ ملک اسلام کے نام پر ہی معرض وجود میں آیا ہے اس لئے جب تک مکمل طور پر اس میں اسلام کا نفاذ نہیں ہوگا اس وقت تک مملکت اسلامیہ کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکے گا۔

لہذا ہمارا مطالبہ ہے کہ موجودہ حکومت مؤثر طور پر اس طرف پیش رفت کرے اور اسلام پسند عناصر، ارباب مدارس نیز دینی طبقہ سے سابقہ حکومت کی طرح محاذ آرائی کی بجائے نفاذ اسلام کے اہم مقصد میں ان سے رابطہ رکھے۔

۱۹۷۳ء کے آئین کے مطابق اسلامی نظریاتی کونسل سے بھی یہ کام لیا جاسکتا ہے بشرطیکہ اس میں اسلامی قانون کے ایسے ماہر رکھے جائیں جو موجودہ غیر اسلامی قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے اہل ہوں اور ان کی سفارشات کو خاص اہمیت دے کر عملی طور پر نافذ بھی کیا جائے۔ امید ہے کہ موجودہ حکومت اس طرف بھی توجہ دے گی۔

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ جب تک ملک کے تمام شعبوں کا نظام قرآن و سنت اور شریعت اسلامیہ کے مطابق نہیں بنایا جائے گا اس وقت تک نہ تو ملک کو ترقی حاصل ہوگی اور نہ ہی اس مملکت کے معرض وجود میں آنے کا مقصد پورا ہوگا، اس لئے اس اہم اور اصل الاصول مقصد کو کسی صورت بھی نظر انداز کرنا حکومت کیلئے روا نہیں ہوگا۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملک کی نظریاتی، اسلامی و جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت فرمائیں اور حکومت وقت کو توفیق دیں کہ وہ صحیح معنی میں اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کر سکے، آمین۔

احقر عبد القدوس ترمذی غفرلہ

۲۱ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ

۳۰ مارچ ۲۰۰۸ء

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

درس قرآن کریم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ۖ
 أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِنْ لَا يَشْعُرُونَ ۖ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ امْنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ
 قَالُوا أَنْتُمُ امْنُوا كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ۖ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَكِنْ لَا يَعْلَمُونَ ۖ وَإِذَا لَقُوا
 الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا بِحُجَّتِ اللَّهِ وَإِذَا خَلَاوَا إِلَى شِيَاظِ مَنَازِلِهِمْ لَا يَقُولُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ
 مُسْتَهْزِئُونَ ۖ أَلَمْ يَسْتَهْزِئْ بِهِمْ وَيَمْلَأْهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۖ أُولَئِكَ الَّذِينَ
 اشْتَرُوا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَعَمَّيْهِمَا بَحْثُ تِجَارَتِهِمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۖ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ
 الَّذِي اسْتَوْفَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمٍ
 لَا يَبْصُرُونَ ۖ ضُمُّ بُكُمْ غَمِيٌّ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۖ أَوْ كَصَيْبٍ مِنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمٌ
 وَرَعْدٌ وَنُقُورٌ ۖ يَجْمَعُ الْمَاءَ أَصَابِعُهُمْ فِي أَذَانِهِمْ مِنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ عَنِ اللَّهِ
 مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ۖ يَكْمِذُ الْبَرْقُ يَخْطِفُ أَبْصَارَهُمْ طُغْيَانًا أَضَاءَ لَهُمْ مَشْهُوًا
 فِيهِ لَوَ إِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا طُغْيَانًا شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ طَرَأَ اللَّهُ
 عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۖ

ترجمہ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ فساد مت کرو زمین میں، تو کہتے ہیں ہم تو اصلاح ہی کرنے
 والے ہیں۔ یا درکھو بے شک یہی لوگ مفسد ہیں لیکن وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔ اور جب ان سے کہا
 جاتا ہے کہ تم بھی ایسا ہی ایمان لے آؤ جیسا ایمان لائے ہیں اور لوگ، تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لاویں
 گے جیسا ایمان لے آئے ہیں یہ بے وقوف۔ یا درکھو بے شک یہی ہیں بے وقوف لیکن اس کا علم نہیں
 رکھتے۔ اور جب ملتے ہیں وہ منافقین ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے
 آئے ہیں، اور جب خلوت میں پہنچتے ہیں اپنے شریر سرداروں کے پاس تو کہتے ہیں کہ ہم بے شک

تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو صرف استہزاء کیا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی استہزاء کر رہے ہیں ان کے ساتھ اور ڈھیل دیتے چلے جاتے ہیں ان کو کہ وہ اپنی سرکشی میں حیران سرگردان ہو رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے گمراہی لے لی بجائے ہدایت کے تو سود مند نہ ہوئی ان کو یہ تجارت اور نہ یہ ٹھیک طریقہ پر چلے۔ ان کی حالت اس شخص کی حالت کے مشابہ ہے جس نے کہیں آگ جلائی ہو پھر جب روشن کر دیا ہو اس آگ نے اس شخص کے گردا گرد کی سب چیزوں کو، ایسی حالت میں سلب کر لیا ہو اللہ تعالیٰ نے ان کی روشنی کو اور چھوڑ دیا ہو ان کو اندھیروں میں کہ کچھ دیکھتے بھالتے نہ ہوں۔ بہرے ہیں، کونگے ہیں، اندھے ہیں سو یہ اب رجوع نہ ہوں گے۔

یا ان منافقوں کی ایسی مثال ہے جیسے بارش ہو آسمان کی طرف سے اس میں اندھیری بھی ہو اور رعد و برق بھی ہو، جو لوگ اس بارش میں چل رہے ہیں وہ ٹھونس لیتے ہیں اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں کڑک کے سبب اندیشہ موت سے۔ اور اللہ تعالیٰ احاطہ میں لئے ہوئے ہیں کافروں کو۔ برق کی یہ حالت ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ان کی بیٹائی اس نے لی۔ جہاں ذرا ان کو بجلی کی چمک ہوئی تو اس کی روشنی میں چلنا شروع کیا اور جب ان پر تاریکی ہوئی پھر کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ارادہ کرتے تو ان کے کوش و چشم سب سلب کر لیتے، بلا شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں۔ (بیان القرآن)

ارشاد حضرت مدنی قدس سرہ

سورۃ فاتحہ تمام کلام اللہ کا خلاصہ ہے کیونکہ یہ تینوں امور اس میں موجود ہیں الحمد للہ تارحیم میں معرفت خدا جل مجدہ اور معرفت صفات خداوندی ہے، مالک یوم الدین میں طرق وصول الی اللہ کے ایک شعبہ معاملہ مخلوق بالخلق کی طرف اشارہ ہے اور اس کی اصلاح کی ترغیب و تنبیہ ہے اور ایسا کہ نستعین میں طرق وصول الی اللہ کے شعبہ ثانیہ معاملہ مخلوق بالخالق کی طرف ایماء اور اس کی تصویر ہے، السدین انعمت علیہم تا آخر میں الوصول الی اللہ کی جانب ایماء ہے، نیز تہ کیر بآلاء اللہ پھر تہ کیر بایام اللہ کی طرف اشارہ ہو گیا کیونکہ یہود و نصاریٰ نے احکام الہیہ میں عملاً یا علماً غلطی و دخل کیا تھا اور تہ کیر بایام کے سلسلہ میں انہی واقعات کو پیش کیا گیا جو انعام یا انتقام و غضب کے طور پر ظہور پذیر ہوئے۔

درس حدیث

رحمۃ (الذریعہ) ترجمہ بہجۃ (النفوس)

مؤلف: حضرت امام حافظ ابو محمد عبد اللہ بن ابی جمرہ الازدی الاندلسی رحمہ اللہ

مترجم: شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانی قدس اللہ سرہ

نوٹ: اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ طلبِ ثواب صحتِ نیت کے منافی نہیں، اس باب میں جمہور صوفیہ بھی نصوص کے خلاف چلے ہیں چنانچہ عام طور سے ان کے کلام میں یہ مضمون ملتا ہے کہ عارف کو طالبِ ثواب اور طالبِ جنت نہ ہونا چاہئے صرف طالبِ رضا ہونا چاہئے، مگر جبکہ جنت محبوب کی ایک نعمت ہے اور وہ چاہئے ہیں کہ بندے اس نعمت کی طرف رغبت کریں جیسا لمثل ہذا فلا یعمل العاملون، وفي ذلك فليتنافس المتنافسون سے ظاہر ہے تو جنت کی طلب عین محبوب کی طلب ہے، ہاں اگر جنت کی طلب محض حظِ نفس کیلئے ہو محبوب کی نعمت سمجھ کر نہ ہو تو بے شک یہ طلب معرفت کے منافی ہوگی۔

عمل کا بڑا ثواب مغفرت ہے اس سے بڑھ کر کوئی جزاء نہیں

(۳۸) حدیث کا یہ لفظ کہ ”اس کے اگلے گناہ بخش دیئے جائیں گے“ اس بات کی دلیل ہے کہ اعمال کا اصل ثواب (اور اعلیٰ ثمرہ) مغفرت ہے (کہ گناہ معاف ہو جائیں) کیونکہ شب قدر کے قیام کا ثواب مغفرت ہی کو قرار دیا گیا ہے حالانکہ یہ قیام ہزار مہینوں کے اس عمل سے افضل ہے جو اللہ کے راستہ میں جہاد کی صورت سے ہو (پس اگر مغفرت سے بڑھ کر کوئی ثواب ہوتا تو اتنے بڑے عمل پر اسی کو مرتب کیا جاتا، اس سے معلوم ہوا کہ اس سے زیادہ کوئی ثواب نہیں) کیونکہ مغفرت ہی (سب کی) اصل ہے اور ہلاکت سے نجات دینے والی یہی ایک چیز ہے، اور اگر کسی وقت رحمت کے ساتھ مغفرت نہ ہو تو (بندے کا) ہلاک ہونا ممکن ہے۔ اور اسی وجہ سے کہ مغفرت میں یہ خصوصیت ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو مغفرت ہی کے ساتھ مخصوص (و ممتاز) فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تأخر، اس کے سوا اور کوئی ثواب بیان نہیں فرمایا۔ غرض عتق و نقل (دونوں) اس بات کو بتلاتے ہیں کہ انسان کو جو نعمتیں بھی عطا کی جائیں ان میں سب سے افضل مغفرت ہے،

کیونکہ اگر اس کی نیکیاں زیادہ ہو جائیں تو پھر بھی یہ احتمال رہے گا کہ نجات ہوگی یا نہ ہوگی، اور جس کی مغفرت ہوگئی اس پر کسی قسم کا کوئی اندیشہ باقی نہ رہے گا (الوجه السابع عشر قوله عليه السلام غفر له ما تقدم اليه قوله لم يسبق عليه شيء يخاف منه)

ایمان سب اعمال سے اعلیٰ ہے

(۳۹) حدیث میں اس کی بھی دلیل ہے کہ ایمان تمام اعمال سے اعلیٰ (اور برتر) ہے، کیونکہ اگر شب قدر کا قیام انوار ایمان سے خالی ہوا تو یہ ثواب نہ ملے گا جس کا اوپر ذکر آچکا اور جب ایمان کے انوار بھی اس کے ساتھ شامل ہوں تو اس کے عوض میں اعلیٰ درجہ کا ثواب ملے گا جو کہ مغفرت ہے اللہم اجعلنا ممن غفرت له في الدارين بلا محنة، انك جواد كريم (قوله الوجه الثامن عشر فيه دليل على ان الايمان اعلى الاعمال اليه قوله جواد كريم)

نوٹ: صوفیہ کا یہ خاص مذاق ہے وہ دولت ایمان کو سب سے بڑھ کر سمجھتے اور اس کی تکمیل کا اہتمام کرتے ہیں۔

نوٹ: اس مقام سے علماء ظاہر کو بھی سبق لینا چاہئے اور طالبان سلوک کو بھی، کہ اصل چیز مغفرت ہے، بندہ کو اسی کا طالب ہونا چاہئے درجات عالیہ کا طالب نہ ہونا چاہئے، جس کو مغفرت حاصل ہوگئی اس کو سب کچھ مل گیا، حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم فرمایا کرتے ہیں کہ درجات کی تمنا اہل درجات کو مبارک ہو، ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ جہنم سے نجات ہو جائے پھر چاہے جنتیوں کی جوتیوں ہی میں جگہ مل جائے۔

ارشاد حضرت مدنی قدس سرہ

وصف ربوبیت کا تقاضا ہے پرورش، مربی کو لامحالہ پروردہ سے محبت ہوتی ہے اگر اس کی اولاد نہ ہو تب بھی ہوتی ہے لہذا وصف ربوبیت خداوند عالم کی لامحدود محبت کا نشان دیتی ہے نیز انسان معیبت اور ضرورت کے وقت مربی کی طرف رجوع کرتا ہے لہذا یہ اسم (رب العالمین) ترغیب ہے رجوع الی اللہ کیلئے۔

مرسلہ: محمد صدیق عفا اللہ عنہ

ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ

جمع و ترتیب: حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری قدس سرہ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور

○ فرمایا طاعون کے دفع کرنے کیلئے اذانیں کہنا بدعت ہے، اسی طرح قبر پر دفن کے بعد بھی اور اسی طرح بارش اور استسقاء کیلئے بھی بدعت ہے۔

○ فرمایا طاعون سے جو موت ہوتی ہے اس میں عین مرنے کے وقت آٹا ربثاشت اور انبساط کے نمایاں ہوتے ہیں، اور کتاب ”شوق وطن“ میں تو مسلمان کیلئے جہنم کو بھی رحمت ثابت کیا ہے کیونکہ وہ مسلمان کیلئے میل پکیل دور کرنے کا گویا حمام ہے جیسا کہ آیت ولا یزکیہم سے معلوم ہوتا ہے۔

○ فرمایا ایک طالب علم مولانا فتح محمد صاحب کے پاس پڑھا کرتے تھے ان کا نام نور احمد تھا نو عمر ہی تھے، جب مولانا کا انتقال طاعون میں ہوا تو اس نے گھر جانے کیلئے اسباب باندھا پھر بخارا اور طاعون میں مبتلا ہو گیا۔ ان کی عجیب حالت تھی کسی نے ان سے کہا تم اچھے ہو جاؤ گے، کہا یوں مت کہو اب تو حق تعالیٰ سے ملنے کو جی چاہتا ہے۔ ان کا ایک ہم سبق طاعون سے جلال آباد فوت ہو چکا تھا مگر اس کے مرنے کی خبر اس کو نہ دی گئی تھی کہ ہر اس ماں نہ ہو، مرنے کے وقت خود اس نے پوچھا کہ اس میرے ساتھی کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے کہا اچھا ہے، کہا کیوں جھوٹ بولتے ہو وہ تو مر چکا ہے میرے پاس کھڑا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ اس نے عالم برزخ کی کائنات کو عالم ماسوت کی کائنات سے امتیاز کر لیا۔ اس کے جنازہ پر انوار اور رکشش تھی، جنازہ اس کا میں نے ہی پڑھایا تھا۔

○ فرمایا مرنے کے وقت ایمان سلب نہیں ہوتا جیسا عوام میں مشہور ہے، پہلے ہی سلب ہو چکتا ہے اور کسی فعل اختیاری سے سلب ہوتا ہے، البتہ اس کا ظہور مرنے کے وقت ہوتا ہے کیونکہ وہ انکشاف کا وقت ہوتا ہے، تو یوں سمجھا جاتا ہے کہ اب مرنے کے وقت سلب ہوا ہے۔ اور بعض لوگوں کے اس وقت بھی ہوش و حواس درست ہوتے ہیں اور اس حالت میں شیطان ان کو بہکا تا ہے اور وہ اختیار خود بہکانے میں آ جاتے ہیں، اسی واسطے دعا کی تعلیم فرمائی گئی ہے اللہم لقنی حجة الايمان عند الممات۔ باقی بیہوشی میں اگر کوئی کفری قول یا فعل صادر ہو جاوے اس پر مؤاخذہ نہیں۔ اور اسی سلسلہ میں یہ بھی

فرمایا کہ ابلیس کو اضلال کی اسی درجہ کی عنت ہے جیسی حضرات انبیاء علیہم السلام کو ہدایت کی عنت ہے۔
 ○ احقر نے عرض کیا کہ موت کے وقت کبھی شیخ بھی حاضر ہوتا ہے۔ فرمایا اس کی دو صورتیں ہیں، کبھی واقعی شیخ ہوتا ہے اور یہ کرامت ہے اور اس کا وقوع شاذ و نادر ہوتا ہے، اور کبھی حق تعالیٰ کسی لطیفہ غیبیہ کو شکل شیخ مشکل فرما دیتے ہیں کیونکہ وہ اسی شکل سے مانوس ہے تو اس کے ذریعہ سے اس کو حق کی طرف متوجہ کر دیا جاتا ہے۔

○ کرامات علامات قرب ہیں اسباب قرب نہیں، کیونکہ غیر اختیاری سے قرب نہیں ہوتا۔
 اور فرمایا کہ مجھے اس مسئلہ کے متعلق کہ غیر اختیاری سے قرب نہیں ہوتا ایک شبہ تھا اور وہ برسوں رہا اور میں نے کسی سے اس لئے دریافت بھی نہیں کیا کہ کسی سے حل ہونے کی امید نہ تھی اور وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ابھی دو چار دن سے حل ہوا ہے۔ وہ شبہ یہ تھا کہ نبوت بھی غیر اختیاری ہے لیکن اس کو قرب میں فضل عظیم ہے، چنانچہ نبی ہونے کے بعد تمام علماء کا اجماع ہے کہ قرب زیادہ ہو جاتا ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ غیر اختیاری چیز سے بھی قرب بڑھ جاتا ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ قرب دو قسم ہے ایک وہ جس کی تحصیل مامور بہ ہے، یہ قسم اسباب غیر اختیاریہ سے حاصل نہیں ہوتی۔ دوسرا وہ کہ اس کی تحصیل مامور بہ نہیں، یہ قسم ثانی بدوں اسباب غیر اختیاریہ کے حاصل ہو جاتی ہے، نبوت کا قرب اس میں داخل ہے۔ اور جب سے یہ جواب سمجھ میں آیا ہے بے حد مسرت ہے۔

○ فرمایا مولانا..... صاحب نے سوال کیا کہ دعا افضل ہے یا تفویض بمعنی ترک دعا؟ میں نے کہا کہ دعا کرنا سنت کے مطابق ہے اس لئے افضل ہے۔ پھر انہوں نے کہا کہ حضرت پیران پیر عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے تو یہ لکھا ہے کہ ترک دعا افضل ہے کیونکہ اس میں تفویض ہے اور یہ اعلیٰ مرتبہ ہے اور دعا میں تفویض نہیں۔ میں نے کہا کہ دعا ہی افضل ہے اور وہ تفویض کے منافی نہیں کیونکہ دعا میں بھی اس طرح تفویض ہے کہ اس کے ساتھ ہی یہ عزم بھی ہے کہ اگر دعا قبول نہ ہوئی اور اس کا خلاف ہوا تو اس پر بھی راضی رہیں گے۔ اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ دعا میں عزم و جزم والحاظ نہ کرے کیونکہ دعا تو عزم سے اور الحاظ سے اور بدوں تحقیق ہی کرنی چاہئے، لیکن باوجود اس کے اگر قبول نہ ہو تو خلاف ہونے کی صورت میں بھی رضا ہو اور شکایت نہ ہو، بس یہی تفویض ہے۔
 ○ فرمایا قبر پر قرآن شریف پڑھنے سے مردہ کو انس ہوتا ہے۔

فقہ العصر حضرت مفتی سید عبدالشکور رزندی قدس سرہ

اصلاحی مکاتیب

سالکین کے خطوط اور حضرت فقہ العصر رحمہ اللہ کے جوابات

حال: ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان رہتا ہے اور ہر کام کو سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق کرنے کو جی چاہتا ہے مگر یہ بھی خیال آتا ہے کہ اس حالت میں عجب میں تو مبتلا نہیں۔
ارشاد: عجب نہیں اگر اپنا کمال نہ سمجھا جائے۔

حال: احقر نے اپنے شب و روز کے معمولات اور برسر اوقات آپ کی خدمت میں لف شدہ پرچہ میں لکھے ہیں اب آپ جیسا مناسب سمجھیں ارشاد فرماویں۔

ارشاد: پرچہ معمولات پڑھ لیا معمولات و وظائف ماشاء اللہ کافی وافی ہیں ان پر ہی دوام ہوتا رہے دعا کرتا ہوں۔ البتہ بہشتی زیور کا ساتواں حصہ اور تسہیل قصد السبیل تعلیم الدین خصوصیت کے ساتھ زیر مطالعہ رکھیں اور روزانہ کے معمولات میں ان کے مطالعہ کو شامل کر لیں اور جو مرض قلبی اپنے اندر معلوم ہو اس کا علاج کریں اور مشورہ لے لیا کریں نیز حضرت تھانویؒ کے ملفوظات اور موعظ بھی ہر روز مطالعہ میں رکھیں چاہے ایک صفحہ ہی کیوں نہ ہو ان کو پڑھتے ہوئے خیال رکھا جائے کہ اپنے اندر ان عیبوں میں سے کونسا عیب یا قابل اصلاح باتوں میں سے کونسی بات پائی جاتی ہے پھر اس کے علاج کا فکر کیا جائے۔
حال: پرسوں رات والدہ کو ایک بڑا خوبصورت خواب آیا کہ حضرت مولانا مفتی..... صاحب تقریر فرما رہے ہیں میں بھی بیٹھی سن رہی ہوں دل پر اتنا اثر ہوا ہے کہ بڑی روئی بعد میں ایسا معلوم ہوا کہ میں عرفات کے میدان میں ہوں پھر معلوم ہوا کہ میں جنت میں بیٹھی ہوں میرے پاس ایک بڑا خوبصورت مکان ہے..... بتا رہی تھی کہ یہ خواب نہیں تھا بالکل میں نے اپنی آنکھوں کو مل کر دیکھا تو بھی یہ سب کچھ ہی دکھائی دیا۔
ارشاد: قوت تخیلہ میں جو بات ہوتی ہے وہ جاگنے کے بعد بھی نظر آتی رہتی ہے۔

حال: حضرت جی مجھے کبھی ایسی خواب نہیں آئی حسرت آتی ہے سن کر از حد خوشی بھی ہوئی مگر مجھے اپنی پڑ گئی خدا جانے میرا کیا حشر ہوگا سوچ کر بہت دیر روتا رہا۔

ارشاد: خواب نہ آنے پر پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے بیداری کی حالت خلاف شرع نہیں ہونی

چاہئے وہ بھم اللہ اچھی ہے یہ حشر کی سوچ اور اس پر رونا بھی اچھی حالت کی علامت ہے۔

حال: حضرت جی آج کل میری دوکان کچھ ماند پڑ گئی ہے جس کی وجہ سے کچھ پریشانی ہے۔

ارشاد: اللہ لطیف بعبادہ یرزق من یشاء وهو القوی العزیز کا وظیفہ صبح کو پڑھتے رہیں۔

حال: عوام میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے کہ نہ تو وہ روزہ رکھتے ہیں نہ نماز پڑھتے ہیں بلکہ طرح

طرح کی باتیں بناتے ہیں انہیں سمجھانا ہوں تو کئی آدمی وہابی وغیرہ بھی کہتے ہیں اور کوئی شکر یہ بھی ادا کرتے

ہیں ان حالات میں مجھے غصہ بھی آتا ہے اور سمجھانے پر بھی نہ سمجھے تو دل میں اس آدمی کے متعلق اس فعل کی

بدولت کچھ حقارت یا نفرت سی معلوم ہوتی ہے حضرت یہ مجھ میں کوئی بیماری ہے تو اس کا علاج فرمادیں۔

ارشاد: نہیں بیماری نہیں ہے نرمی سے سمجھاتے رہا کریں مرض کو حقیر سمجھیں مریض کو حقیر نہ سمجھیں یعنی یہ

سمجھا کریں کہ یہ معصیت بری ہے مگر یہ شخص برا نہیں شاید اس میں کوئی عمل بہتر ہو اگرچہ یہ عمل بہت گناہ ہے

حال: بعض بزرگ مدینہ منورہ سے واپس تشریف لا کر دوسرے بزرگوں کو حضور ﷺ کا پیغام پہنچاتے

ہیں اور انہیں سنتا ہے حضرت جی وہ کونسا عمل ہے جس سے یہ شرف اور سعادت حاصل ہوتی ہے۔

ارشاد: اتباع سنت اور کثرت درود شریف سے امید کی جاسکتی ہے مگر ضروری نہیں ہے یہ محض وہی

عطیہ ہے اس کا حقیقی کوئی سبب نہیں ہے بس کثرت درود اور اتباع سنت پر دوام کرنا چاہئے اور رضا

مقصود سمجھنی چاہئے۔

حال: ان بزرگوں کے متعلق یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ ان حضرات کو بعض باتوں کیلئے فرمایا بھی جاتا

ہے کہ ایسا کرو ایسا کرو اور حضور ﷺ کی دعاؤں سے بھی مستفید ہوتے ہیں حضرت والا یہ سن کر طبیعت

میں از حد رشک آتا ہے اور حسرت بھی۔ اگر مناسب خیال فرمادیں تو اس حاضری کی کیفیات کیا ہوتی

ہوں گی لکھ کر مشکور فرمادیں۔

ارشاد: محبوب جس حال میں رکھیں اسی پر راضی رہنا چاہئے کہ ”بندہ پروردہ پروری می دانند“ خود کوئی

تجویز نہیں کرنی چاہئے کہ تفویض کے خلاف ہے ممکن ہے کہ یہ حسرت ہی اس شرف و سعادت کے قائم

مقام ہو جائے یا بڑھ جائے پھر بندہ کو کب مناسب ہے کہ کوئی چیز اپنے لئے تجویز کرے البتہ آقا کی

طرف سے از خود جو عنایت ہو جائے اس کی قدر کرے اور شکر بجالائے خود کو اس کا حقدار نہ سمجھے نہ مطالبہ

کرنے کا حق سمجھے۔ یہ امور از قسم مکاشفات ہیں ان کی طرف توجہ نہ کی جائے کیونکہ یہ غیر اختیاری ہیں۔

فقیر العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور رزمی رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دستور اسلامی کی جدوجہد میں علماء کرام کا کردار

(دور)

اسمبلی کی ذمہ داری

۲۷ رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ ۱۹۴۷ء کو دنیا کے نقشہ پر سب سے بڑی اسلامی مملکت وجود میں آئی، تقسیم ملک کے بعد ہندوستان خصوصاً پنجاب کے رہنے والے مسلمان سکھوں اور ہندوؤں کی بربریت اور مظالم کا جس قدر شکار ہوئے وہ تاریخ پاکستان کا ایک نہایت المناک اور خوفناک باب ہے جو تاریخ کے صفحات کو رنگین کئے ہوئے ہے۔ اس اسلامی مملکت کی خاطر لاکھوں مسلمان ترک وطن اور ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے اور انہوں نے اس مقصد کیلئے جان و مال اور عزت و ناموس، غرضیکہ ہر طرح کی قربانیاں دیں اور ہزاروں خاندانوں کی بربادی برداشت کی۔ پاکستان کے وجود کا مقصد یہ تھا کہ قرآن و سنت کی اساس پر مبنی اس کا دستور اسلامی ہو اور اس مملکت خداداد کے کروڑوں مسلمان اسلامی نظام کی برکات سے مستفید اور اس کے ثمرات سے بہرہ ور ہوں۔

دستور اسلامی کا خاکہ

دستور اسلامی کیلئے جدوجہد کا آغاز سب سے پہلے اس وقت ہوا جب شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے جو تحریک پاکستان کے بانیوں کے دست و بازو اور ان کے معاون خاص اور رفیق کار تھے چندا کا بر علماء کے مشورہ سے یہ فیصلہ کیا کہ پاکستان کا دستور کتاب و سنت کی روشنی میں مرتب کرنے کیلئے ایک خاکہ تیار کیا جائے جس کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے سامنے پیش کیا جاسکے۔ اس کام کی انجام دہی کیلئے علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمہ اللہ، مولانا مناظر حسن گیلانی رحمہ اللہ، ڈاکٹر حمید اللہ حیدر آبادی کے نام تجویز ہوئے۔ یہ سب حضرات اس وقت پاکستان میں نہیں تھے، ان سب کو پاکستان آنے کی دعوت دی گئی، سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ اس وقت نہ آ سکے دوسرے تینوں حضرات آ گئے اور انہوں نے وسط ۱۹۴۸ء سے ایک دستوری خاکہ مرتب کرنا شروع

کر دیا، الحمد للہ تین ماہ کی مختصر مدت میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی زیر ہدایت یہ خاکہ مرتب ہو گیا۔
بانی پاکستان کی یقین دہانی

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اور ان کے رفیق خاص مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کو اپنی ۱۱ جون ۱۹۴۷ء دہلی کی ملاقات میں بانی پاکستان جناب مسٹر محمد علی جناح صاحب یہ یقین دہانی کراچے تھے کہ ”پاکستان میں غالب اکثریت مسلمانوں کی ہے تو اس کے سوا کوئی دوسری صورت ممکن ہی نہیں کہ یہاں نظام اسلام قائم ہو۔“ (تعمیر پاکستان اور علماء ربانی ص ۱۷۹)

جمعیت علماء اسلام کانفرنس

اس لئے علماء کرام کی امیدیں بانی پاکستان سے وابستہ تھیں، وہ ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، مگر ان کے بعد بھی علامہ عثمانی رحمہ اللہ اور ان کے رفقاء کار اور دوسرے اسلامی عناصر نے نظام اسلامی کے قیام کیلئے اپنی جدوجہد کو جاری رکھا اور بعض ارباب اقتدار کی اسلامی نظام کے خلاف زیر زمین کوششوں کے کوڑے کیلئے ۱۰، ۱۱ فروری ۱۹۴۹ء کو ڈھاکہ میں جمعیت علماء اسلام کی ایک کانفرنس بلائی گئی۔

علامہ عثمانی رحمہ اللہ نے اپنے بصیرت افروز مطبوعہ خطبہ صدارت میں ارباب حکومت کے عزائم سے پردہ اٹھایا، عوام میں علامہ عثمانی رحمہ اللہ کو جو بے پناہ مقبولیت اور مرکزیت حاصل تھی لیاقت علی خاں وزیراعظم کو اپنے الیکشنوں اور صوبہ سرحد کے ریفرنڈم کے سلسلہ میں اس کا بخوبی اندازہ ہو چکا تھا، خدا تعالیٰ نے علامہ کو ایسا سحر آفرین انداز خطابت عطا کیا تھا کہ لاکھوں کے مجمع کو مسحور کر دینا معمولی بات تھی، اس کے ساتھ ہی علامہ عثمانی رحمہ اللہ نے اسمبلی کو چیلنج دیا کہ آپ کھل کر انکار کر دیں کہ ہم اسلامی دستور نہیں بنانا چاہتے، میں اسمبلی سے استعفاء دوں گا اور مسلمانوں کو بتاؤں گا کہ تمہیں دھوکہ دیا گیا ہے۔

قرارداد مقاصد

یہ صورت حال دیکھ کر لیاقت علی خاں مرحوم نے علامہ عثمانی سے ”قرارداد مقاصد“ کا مسودہ تیار کرنے کی درخواست کی، علامہ عثمانی رحمہ اللہ نے ان کی درخواست پر مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کو ساتھ ملا کر قرارداد مقاصد کا مسودہ تیار کیا جو مختصر ہونے کے باوجود انتہائی جامع تھا۔ اس قرارداد مقاصد کو وزیراعظم لیاقت علی خاں مرحوم نے ۹ مارچ ۱۹۴۹ء کو دستور ساز اسمبلی میں پیش کیا اور ۱۲ مارچ کو اس کی منظوری دے دی گئی۔

روشنی کا مینار

اس موقع پر شیخ الاسلام علامہ عثمانی رحمہ اللہ نے بحیثیت رکن دستور ساز اسمبلی میں ولولہ انگیز زبردست تقریر کی جو ”روشنی کا مینار“ کے نام سے طبع ہوئی۔ اس تقریر نے تمام ملک سے ادبی، اسلامی اور سیاسی طور پر خراج تحسین حاصل کیا، اس تقریر کا ایک فقرہ یہ ہے کہ ”قرارداد مقاصد کے اعتبار سے جو مقدس اور محتاط تجویز آنرزہبل مسٹر لیاقت علی خاں صاحب نے ایوان ہند کے سامنے پیش کی ہے میں نہ صرف اس کی تائید کرتا ہوں بلکہ آج بیسویں صدی میں (جبکہ طحڑانہ نظریات کی شدید کشمکش انتہائی عروج پر پہنچ چکی ہے) ایسی چیز کے پیش کرنے پر موصوف کے عزم و ہمت اور جرأت ایمانی کو مبارکباد دیتا ہوں۔“

قرارداد مقاصد کی منظوری وزیراعظم سمیت علامہ عثمانی رحمہ اللہ اور ان کے رفقاء کار کا ایسا عظیم الشان کارنامہ ہے جو دستور پاکستان کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

بورڈ آف تعلیمات اسلام

دستور اسلامی کے سلسلہ میں علامہ عثمانی رحمہ اللہ عظیم کارنامے انجام دینے کے بعد ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء کو اس دنیا سے رحلت فرما گئے اور اس کا افسوس رہا کہ ان کی حیات میں دستور اسلامی کی تدوین و ترتیب کے اگلے مراحل طے نہ ہو سکے، مگر قرارداد مقاصد میں اس امر کی ضمانت دی گئی تھی کہ پاکستان ایک اسلامی سلطنت ہوگا اور اس کے قوانین اسلام کے مطابق ہوں گے، اس کی منظوری کے بعد چونکہ پاکستان کا دستور کتاب و سنت کے مطابق بنانا ضروری ہو گیا تھا اور اس عظیم کام کیلئے اسلامی دستور کے ماہرین کی ضرورت تھی اس کیلئے علامہ عثمانی رحمہ اللہ نے ۱۹۴۹ء میں ایک بورڈ آف تعلیمات اسلام کی تجویز پیش کی تھی، ارباب حل و عقد نے اس کی منظوری دے دی تھی، اس بورڈ کی صدارت کیلئے نظر انتخاب حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ اور قدیم و جدید علوم کے جامع علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ پر پڑی، سید صاحب اس وقت ریاست بھوپال میں قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے عہدے پر فائز تھے۔

لیاقت علی خاں مرحوم نے اسی سلسلہ میں ان سے خط و کتابت شروع کی، ان دنوں خواجہ شہاب الدین وزیر داخلہ پاکستان خیرگالی وفد لے کر حج کو گئے تھے اور سید صاحب بھی ہندوستان سے حج کیلئے وہاں آئے ہوئے تھے، ان کی وہاں سید صاحب سے متعدد ملاقاتیں ہوئیں مگر ان کا خاطر خواہ

نتیجہ نہیں نکلا۔ بالآخر لیاقت علی خاں مرحوم نے مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم کو سید صاحب کو پاکستان آنے اور ”تعلیمات اسلامی بورڈ“ کی صدارت قبول کرنے پر آمادہ کرنے کیلئے بھوپال بھیجا، مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم نے سید صاحب کو دستور اسلامی کی تدوین میں تعاون کرنے بلکہ اس کی صدارت و سرپرستی قبول کرنے پر آمادہ کر لیا، وہ ۱۹۵۰ء میں پاکستان آ گئے اور یہ اہم کام ان کی سرپرستی میں شروع ہو گیا، اس بورڈ کے دوسرے اہم اور ممتاز رکن مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تھے۔ یہ بورڈ ۹ اگست ۱۹۴۹ء سے اپریل ۱۹۵۴ء تک تقریباً ساڑھے چار سال قائم رہا اور اس نے بڑی عرق ریزی کے بعد دستور پاکستان کیلئے سفارشات مرتب کیں، یہ بورڈ ان دونوں علماء کے علاوہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب سابق استاذ جامعہ عثمانیہ دکن، پروفیسر عبدالحق صاحب مشرقی پاکستان، جناب ظفر احمد صاحب انصاری (ماظم) مولانا جعفر حسین مجتہد پر مشتمل تھا۔

لاء کمیشن

”بورڈ آف تعلیمات اسلام“ کا تعلق صرف دستور کی حد تک تھا، پاکستان کے موجودہ قوانین سے اس کا تعلق نہ تھا، ۱۹۵۰ء کے آخر میں علامہ سلیمان ندوی رحمہ اللہ کے زور دینے پر مروجہ قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کیلئے ایک لاء کمیشن بھی مقرر کیا گیا، جسٹس رشید، جسٹس میمن کو بحیثیت ماہر قانون اس میں شریک کیا گیا اور علماء میں سے صرف سید صاحب اس کے رکن منتخب ہوئے، بعد میں سید صاحب کے اصرار پر ماہر فقہ اسلامی کی حیثیت سے مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کو بھی کمیشن کا رکن بنا دیا گیا، یہ کمیشن دو سال تک کام کرتا رہا۔

لیکن بورڈ تعلیمات اسلام کی مرتب کردہ رپورٹ اور سفارشات سے معلوم ہوتا ہے کہ ارباب اقتدار کی طبع مازک پر گراں گزریں، اس لئے ان کو سر بستہ راز بنا دیا گیا اور شائع کرنے کی اجازت نہیں دی گئی کہ کہیں عوام کو ان سے آگاہی نہ ہو جائے اور اسلام کے نام لیواؤں کا بھرم نہ کھل جائے۔ ارباب اقتدار کی اکثریت نفاذ اسلام کے بارے میں مخلص نہیں تھی اس لئے انہوں نے اپنی دلی خواہش پر پردہ ڈالنے کیلئے اول تو تعلیمات اسلامیہ بورڈ کی سفارشات کو عوام کے سامنے نہیں آنے دیا، دوسرے علماء کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ وہ کسی ایک بات پر متفق نہیں ہیں اس لئے لوگوں کے سامنے کوئی اسلامی دستوری خاکہ پیش کرنا بے سود ہے۔

علماء کرام نے اس چیلنج کو قبول کیا

۲۲ نکات

مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم کی مساعی جمیلہ سے کراچی میں مختلف مکاتب فکر کے ۳۱ علماء کرام کا ایک نمائندہ اجتماع ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵ جنوری ۱۹۵۱ء کو مولانا مرحوم کے مکان جیکب لائن کراچی میں منعقد ہوا جس میں مشرقی و مغربی پاکستان کے ۳۱ علماء کرام نے شرکت کی۔ اور حکومت وقت کے چیلنج کو قبول کر کے اول تو مختلف انخیال علماء کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا ہی کوئی آسان کام نہیں تھا، پھر انہیں ایک فارمولے پر متحد کرنا تو اور بھی مشکل کام اور جوئے شیر لانے کے مترادف تھا، مگر مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم کے عزم و استقلال اور ان کی بلند ہمت نے اس مشکل ترین اہم کام کو آسان بنا دیا اور ملک کے مغربی اور مشرقی حصوں کے مختلف انخیال علماء کو ایک جگہ بٹھلانے ہی میں نہیں بلکہ اسلامی مملکت کیلئے ۲۲ نکاتی متفقہ فارمولا کرانے میں بھی کامیاب ہو گئے۔

ملک کے تمام مذہبی مکاتب فکر کے ۳۱ مقتدر رہنماؤں نے صرف چار روز میں متفقہ طور پر اسلامی مملکت کے بنیادی رہنما اصول مرتب کر کے بلاشبہ اتحاد و اتفاق کی بے مثال یادگار قائم کی اور حکومت کے چیلنج کے جواب میں ایسا متفقہ فارمولا تیار کیا کہ اس کا کچھ جواب حکومت سے نہ بن پڑا اور اس کے جواب سے حکومت ہمیشہ کیلئے عاجز ہو کر رہ گئی۔

علماء کے پیش کردہ متفقہ ۲۲ نکات اور دستور اسلامی کے سلسلہ کی معیاری سفارشات کی اشاعت سے ایسے لیڈران قوم کیلئے جو علماء کو سیاست اور امور مملکت سے بے بہرہ ہونے کا طعنہ دیا کرتے تھے غور و فکر کا ایک دروازہ کھل گیا اور مسٹر بروہی جیسے دانشور جو یہ کہتے تھے کہ ”قرآن میں دستور مملکت کیلئے ایک لفظ بھی موجود نہیں“ اس کے جواب میں مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے ”دستور قرآنی“ اور مولانا محمد ادریس رحمہ اللہ نے رسالہ ”نظام اسلام“ اور کتاب ”دستور اسلام“ کے عنوان سے لکھے۔ مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے ۱۲ جولائی ۱۹۵۳ء کے درس قرآن میں سورہ نساء کی صرف آیت نمبر ۶ سے دستوری دفعات کا استنباط فرمایا، اس کے علاوہ اٹھائیس دوسری آیات سے مزید دستوری دفعات کو ثابت کیا، غرضیکہ حضرات علماء کرام نے دستور اسلامی کے سلسلہ میں قرآن و سنت سے دستور ساز اسمبلی کو اتنا مواد بہم پہنچا دیا کہ سردار عبدالرب نشتر جیسے مخلص افراد نے تو اسلامی دستور کی ضرورت و اہمیت کو تسلیم کر ہی لیا تھا خود مسٹر بروہی

نے بھی وزیر قانون کی حیثیت سے ۱۹۵۶ء کے اس دستور کو پیش کیا جس میں یہ ضمانت دی گئی تھی ”پاکستان میں قرآن و سنت کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں کی جائے گی“۔

دستور اسلامی کی تدوین و نفاذ کے سلسلہ میں کوشش کرنے والے ارباب اقتدار میں سے لیاقت علی خاں مرحوم پیش پیش تھے، کیونکہ علماء کا متفقہ فارمولا ان کی پیش کردہ قرارداد مقاصد کے عین مطابق تھا، علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ سے محرومی کے بعد اکتوبر ۱۹۵۱ء میں قوم لیاقت علی خاں جیسے مخلص رہنما سے بھی محروم ہو گئی، لیاقت علی خاں کی شہادت کے بعد خواجہ ماعظم الدین وزارت عظمیٰ کے منصب پر فائز ہوئے، خواجہ ماعظم الدین مرحوم اور سردار عبدالرب نشتر جیسے مخلص چند رہنماؤں کے سوا زمام اقتدار ایسے ہاتھوں میں آنا شروع ہو گئی جو مذہب کو اپنے محلوں سے بہت دور رکھنا چاہتے تھے، انہیں ملک اور قوم کے مفاد سے زیادہ اپنا ذاتی مفاد عزیز تھا، بالفاظ دیگر پاکستان کے انتظامی ڈھانچے پر نوکر شاہی کی گرفت کا آغاز ہو گیا۔

عظیم الشان کانفرنس

۱۵، ۱۴ نومبر ۱۹۵۲ء کو ڈھاکہ میں مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ ماعظم الدین علیٰ مرکز جمیعت علماء اسلام کی زیر صدارت ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی، اس کانفرنس میں پچاس ہزار علماء کرام اور ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں نے شرکت کی، اس عظیم اجتماع نے حکومت کو صاف الفاظ میں بتایا کہ ”کوئی ایسا دستور قبول نہیں کیا جائے گا جو اسلام کے نام پر بنایا گیا ہو مگر اس کی روح سے خالی ہو“۔

دستور اسلامی کے سلسلہ کی ملاقات

کانفرنس ختم ہوتے ہی اگلے روز خواجہ ماعظم الدین وزیر اعظم پاکستان کی طرف سے اکابر علماء کو دعوت نامے جاری کئے گئے۔ ۱۹ نومبر ۱۹۵۶ء کو حسب ذیل دس علماء کو دستور اسمبلی کے بارہ میں گفتگو کیلئے کراچی بلایا گیا۔

- (۱) مولانا ظفر احمد عثمانی ڈھاکہ (۲) مولانا اطہر علی مشرقی پاکستان کشور گنج ڈھاکہ (۳) مولانا محمد داؤد غزنوی صدر جمیعت اہلحدیث پاکستان لاہور (۴) مولانا محمد دریس کاندھلوی جامعہ اشرفیہ لاہور (۵) مولانا مفتی محمد حسن جامعہ اشرفیہ لاہور (۶) مولانا احتشام الحق تھانوی کراچی (۷) مولانا شمس الحق فریدی پوری ڈھاکہ (۸) مولانا خیر محمد جالندھری ملتان (۹) مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک (۱۰) مولانا دین محمد ڈھاکہ۔

یہ سب حضرات علماء کرام رات کو نوبے پر ائمہ منسٹر ہاؤس پہنچے، خواجہ ماعظم الدین نے باہر آ کر

ان علماء کا استقبال کیا، مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ نے علماء کا تعارف کرایا، خواجہ مہتمم الدین کے علاوہ اسپیکر لچیلو اسمبلی مولوی تمیز الدین، سردار عبدالرب نشتر اور ان کے علاوہ دو اور مرکزی وزراء اور سیکرٹری مذاکرات میں ۲ بجے رات تک شریک رہے۔

دستور اسلامی کے نفاذ کے سلسلہ میں اشکالات کے تسلی بخش جوابات علماء نے دیئے اور دستور اسلامی کے سیاسی، معاشی اور اقتصادی فوائد سے آگاہ کیا، آخر خواجہ صاحب نے علماء کو یقین دلایا کہ علماء اور عوام کی خواہش کے مطابق آئین بنایا جائے گا، اس گفتگو کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۲ دسمبر ۱۹۵۲ء کو جو دستوری خاکہ اسمبلی میں پیش ہوا وہ کافی حد تک اسلامی تھا۔

علماء کا دوسرا اجتماع

۱۱ جنوری ۱۹۵۳ء سے ۱۸ جنوری تک پھر ان علمائے کرام کا کراچی میں اجتماع ہوا جنہوں نے ۲۲ نکاتی فارمولا مرتب کیا تھا، اس میں مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی اور مولانا دین محمد ڈھاکہ کو بھی شامل کیا گیا اور مولانا بدر عالم صاحب رحمہ اللہ مدینہ منورہ چلے جانے کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے۔

اس اجتماع میں علمائے کرام نے چند اہم تر میمات کے ساتھ نئے دستور کی تائید کی، اس کے بعد دستور سازی کن مراحل سے گزری 'دستوریہ' توڑ دی گئی۔ ۱۹۵۶ء کا آئین پاس ہوا، اسے ناکام بنانے کی سازش ہوئی۔ ۱۹۵۸ء میں مارشل لاء آیا، پھر تیرہ سال سے زیادہ ملک پر جو حالات گزرے، نئے دستور بنائے گئے وہ ایک طویل داستان ہے جس کے بیان کی اس جگہ گنجائش نہیں۔

بہر حال ۱۹۴۸ء سے لے کر ہر موقع پر علماء کرام نے اسلامی دستور کے نفاذ کی ہر ممکن طریقہ سے ہمیشہ کوشش کی ہے اور علماء کرام ہر مرحلہ پر حکومت کو اس پر آمادہ کرتے رہے ہیں کہ وہ ملک میں اسلامی دستور نافذ کرے تاکہ پاکستان کا بنیادی مقصد حاصل ہو سکے اور مسلمانوں نے جس ملک کو دوقومی نظریہ کی بنیاد پر حاصل کیا تھا اس میں قرآن و سنت کا بول بالا ہو۔

آئین ۱۹۷۳ء

آخر کار علماء کی دیرینہ کوششیں کسی حد تک بار آور ہوئیں اور ۲۲ اپریل ۱۹۷۳ء کو ایک ایسے آئین کا اعلان کیا گیا جس کی دفعہ نمبر ۲۲ میں اس بات کی ضمانت دی گئی ہے کہ ملک میں جو بھی قانون

سازی ہوگی وہ قرآن و سنت کے مطابق ہوگی اور قرآن و سنت سے متصادم کوئی قانون منظور نہیں کیا جائے گا، یہ ایک مثبت انداز ہے۔ دفعہ نمبر ۲۲۷ کے ضروری الفاظ آگے نقل کئے جا رہے ہیں اور اس کے دفعہ نمبر ۱ میں ملک کا نام ”اسلامی جمہوریہ پاکستان“ قرار دیا گیا ہے، یہ نام پہلے ۱۹۵۶ء کے دستور میں تجویز کیا گیا تھا پھر ۱۹۶۳ء میں اسمبلی کے ترمیمی ایکٹ کے ذریعہ سے بھی اسے شامل کیا گیا ہے۔

یہ بات قابل اطمینان ہے کہ اس ۷۳ء کے آئین میں اسلام کو حکومت کا سرکاری مذہب تسلیم کر لیا گیا ہے، آئین کی دفعہ نمبر ۲ میں کہا گیا ہے کہ ”اسلام پاکستان کا سرکاری مذہب ہوگا“ (ص ۲۰) لیکن جب تک ملک کے تمام قوانین کو آئین کی دفعہ نمبر ۲۲۸ کے تقاضا کے مطابق اسلامی نہ بنایا جائے گا اور ملک میں غیر اسلامی احکام نافذ کرنے کی کھلی آزادی حاصل رہے گی تو ظاہر ہے کہ اس وقت تک یہ الفاظ بے معنی رہیں گے۔

نیز ۷۳ء کے اس دستور میں یہ بات بڑی اہم ہے کہ ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی مرتب کردہ قرار داد مقاصد جس کو لیاقت علی خاں وزیر اعظم نے اسمبلی سے منظور کرایا تھا اسے بھی اس میں شامل کر لیا گیا ہے، اس دفعہ میں ایک اسلامی کونسل قائم کرنے کو کہا گیا ہے جس کے فرائض میں ایسی سفارشات پیش کرنی ہیں جن پر عمل کر کے موجودہ قوانین کو بتدریج اسلامی انداز میں ڈھالا جاسکے، اس اسلامی کونسل میں سپریم کورٹ یا ہائی کورٹ کے دو ججوں کے ساتھ کم از کم چار ایسے افراد ہوں گے جو کم از کم پندرہ سال تک اسلامی ریسرچ کرتے رہے ہوں گے یا اس کا درس دیتے رہے ہوں گے (آئین ص ۹۶) اسلامی ملک میں مغربی جمہوریت کی گنجائش نہیں ہے

ہمارا ملک ایک اسلامی ملک ہے اور اس میں مغربی جمہوریت کے اس تصور کو نافذ کرنے کی کسی طرح گنجائش نہیں ہے جس میں اقتدار اعلیٰ کا سرچشمہ عوام کو قرار دیا گیا ہے اور عوام کی منتخب کردہ اسمبلی کو قانون سازی کے ایسے اختیارات دے دیئے گئے ہیں جن پر کسی قسم کی پابندی عائد کرنی آئین جمہوریت کے خلاف سمجھی جاتی ہے۔

اسلامی دستور میں اقتدار اعلیٰ جمہور کے منتخب کردہ نمائندوں کو نہیں اللہ تعالیٰ کیلئے حاصل ہے، اور قانون سازی کا سرچشمہ صرف خدا تعالیٰ کی ذات وحدہ لا شریک لہ ہے، اور یہ منتخب نمائندے ان ہی حدود میں رہ کر قانون سازی کر سکتے ہیں جو قرآن و سنت کے ذریعہ ان کیلئے مقرر کر دی گئی ہیں، اس لئے

۱۹۷۳ء کا دستور کا دیباچہ ان الفاظ سے شروع ہو رہا ہے کہ چونکہ تمام کائنات کا اقتدار اعلیٰ صرف خداوند تعالیٰ کی عظیم ذات کو حاصل ہے اس لئے جو اختیارات اپنی حدود میں رہ کر پاکستان کے عوام نے استعمال کرنے ہیں وہ ان کے پاس خداوند تعالیٰ کی طرف سے امانت ہیں (آئین ص ۱۷)

دستور پاکستان کے یہ فقرے اس حقیقت کو واضح کر رہے ہیں کہ ہماری اسمبلی کا اقتدار غیر محدود اور غیر مشروط نہیں ہے کہ جس طرح چاہے وہ اپنے اختیارات کو استعمال کرتی رہے اور جو چاہے قانون بناتی رہے بلکہ اس پر قرآن و سنت کی پابندی لازم ہے اور یہ پابندی خود ۱۹۷۳ء کے دستور کے دیباچہ میں بھی لگائی گئی ہے جس کو اب ترمیم کے بعد دستور میں شامل کر لیا گیا ہے۔ جب اسمبلی پر قرآن و سنت کی پابندی کو خود دستور میں تسلیم کر لیا گیا ہے تو اس پابندی پر عمل کرنا ۱۹۷۳ء کے آئین پر عمل کرنا ہے جس کی وفاداری کا ہر رکن اسمبلی حلف اٹھاتا ہے، اب اس حلف کے خلاف کرنا اور قرآن و سنت سے آزار و کفر آئین سازی کرنی آئین پاکستان کی خلاف ورزی اور اس کے ساتھ غداری کے مترادف ہے۔

مغربی جمہوریت

اس کے علاوہ مغربی طرز جمہوریت میں بھی جس کی نقالی اور پیروی کو ہمارے اسلامی ملک میں ضروری سمجھا جا رہا ہے اس کی اسمبلی کیلئے بھی ہر شعبہ زندگی میں نہ صرف اس شعبہ کے ماہرین سے رجوع کرنا بلکہ ان کی رپورٹوں کی پیروی کرنا ناگزیر ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے کوئی شخص بھی متعلقہ شعبہ کے ماہرین کی رپورٹ کی پابندی کرنے کو اسمبلی کے اختیار اعلیٰ پر قدغن قرار نہیں دیتا، نہ ہی اسمبلی کے اقتدار اعلیٰ کو محدود و قصور کیا جاتا ہے، بلکہ اگر اسمبلی ہر شعبہ میں اس کے ماہرین کی رپورٹ پر عمل درآمد نہ کرے اور ظاہر ہے کہ اسمبلی کا زندگی کے ہر شعبہ کے ماہرین پر مشتمل ہونا ضروری نہیں، اب اگر متعلقہ شعبے کے فنی ماہرین کی طرف رجوع بھی نہ کیا جائے اور ان کی رپورٹ کی پیروی کو بھی لازم نہ سمجھا جائے تو زندگی کا تمام نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے۔

دفعہ ۲۲۷

۱۹۷۳ء کے آئین کی دفعہ ۲۲۷ جو حصہ نہم میں ”اسلامی شقیں“ کے تحت لکھی گئی ہے وہ یہ ہے:

(۱) موجودہ قوانین کو قرآن و سنت کے طے شدہ اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالا جائے گا اور ان اصولوں کے متصادم ہونے والا کوئی قانون منظور نہیں کیا جائے گا (ص ۹۶)

(۲) فقرہ نمبر میں یہ کہا گیا ہے کہ ”جتنے قوانین نفاذ دستور سے پہلے بن چکے ہیں ان پر اسلامی حیثیت سے نظر ثانی کر کے ان میں ایسی ترمیم کی جائے گی جس سے وہ شریعت کے مطابق ہو جائیں، نیز جن مزید اسلامی احکام کو قانونی شکل دینی ہے انہیں مدون کیا جائے گا۔“

(۳) دوسرا فقرہ یہ ضمانت دے رہا ہے کہ ”دستور کے نفاذ کے بعد جتنے قوانین وضع ہوں وہ قرآن و سنت کے کسی حکم کے خلاف نہیں ہوں گے“، جس کا حاصل یہ ہے کہ آئین میں اس کی ضمانت دی گئی ہے کہ پرانے قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالا جائے گا اور کوئی نیا قانون قرآن و سنت کے طے شدہ اصولوں کے خلاف منظور نہیں کیا جائے گا۔

اسمبلی کی ذمہ داری

اب یہ اسمبلی کی ذمہ داری ہے کہ تمام قوانین کو قرآن و سنت کے موافق بنائے اور قرآن و سنت کے خلاف کسی قانون کو منظور نہ ہونے دے، اگر ہماری اسمبلی اپنی دستوری ذمہ داریوں کو پورا کرے اور پرانے قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے اور نئے قوانین کو مدون کرنے میں قرآن و سنت کی پابندی کرے اور نئے قوانین کو قرآن و سنت کے مطابق بنانے کے ساتھ ساتھ پرانے تمام قوانین کو بھی اسلامی اصولوں کے مطابق بنانے کی اپنی اس آئینی ذمہ داری کو مکمل حقہ دیا ننداری سے انجام دے تو پھر یہ اسمبلی بلاشبہ تمام مسلمانوں کی پرانی تمناؤں اور دلی آرزوؤں کو پورا کرنے کی وجہ سے محبوب اور مبارکباد کی مستحق ہوگی۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے پاس دنیا کے ہر قانون سے زیادہ مستحکم اور مضبوط یعنی بر عدل و انصاف قانون ہر شعبہ زندگی میں موجود ہے، اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اسلامی قانون کو نافذ و جاری کئے بغیر دنیا عدل و انصاف اور امن و سکون سے ہمکنار نہیں ہو سکتی ضرورت اس بات کی ہے کہ اس قانون کو قرآن و سنت کی روشنی میں جدید تقاضوں کے مطابق مدون مرتب کر دیا جائے اور عصر حاضر میں جو نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں ان کا حل بھی قرآن و سنت اور اجماع امت اور قیاس صحیح کی روشنی میں ہی تلاش کیا جائے۔

اسلامی قوانین کی تدوین

پاکستان میں مختلف حکومتوں کی طرف سے کئی مرتبہ اسلامی قوانین کی تدوین کیلئے مختلف بورڈ

اور کمیشن قائم کئے جاتے ہیں، لیکن اتنا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود ابھی تک حکومت اسلامی قانون مکمل طور پر نافذ نہیں کر سکی، موجودہ دور میں اسلامی قانون کی تدوین اور اس کی تشریح و تعبیر ایک انتہائی نازک کام ہے اور یہ کام صرف ایسے افراد ہی ٹھیک ٹھیک انجام دے سکتے ہیں جو ایک طرف تو تعلیمات اسلام سے پوری طرح واقف ہوں اور انہوں نے اپنی عمریں اس کام میں لگائی ہوں، دوسری طرف وہ عصر حاضر کے مسائل کو بھی کما حقہ سمجھتے ہوں اور اس دور میں مسلمانوں کو جو عملی مشکلات پیش آ سکتی ہیں سلامت فکر کے ساتھ ان کا صحیح حل بھی دریافت کر سکتے ہوں۔

اب تک جو ادارے اسلامی قوانین کی تدوین کیلئے قائم ہوتے رہے ہیں ان کے ارکان کے انتخاب میں اکثر و بیشتر شرائط کالفاظ نہیں رکھا گیا، عموماً اس مقصد کیلئے ایسے افراد منتخب کئے جاتے رہے جو نہ قرآن و سنت کو کما حقہ سمجھتے تھے نہ ہی اسلامی شریعت کے مزاج سے واقف تھے اور نہ ہی انہوں نے اپنی عمر کا کوئی بڑا حصہ اسلامی علوم کی تحصیل میں صرف کیا تھا، اسلامی علوم میں ان کا علم صرف مطالعہ تک محدود تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن و سنت سے ناواقف اور مزاج ما شناس مدعی اجتہاد لوگوں نے مغربی افکار سے مرعوب ہو کر اسلام میں تحریف و ترمیم کا دروازہ کھول دیا اور اس کی وجہ سے مسلمانوں میں افتراق و امتیاز کے فتنے پہلے سے زیادہ ہو گئے۔ کوئی ادارہ خواہ کتنی ہی نیک نیتی سے قائم کیا جائے اگر اس کے چلانے والے رجال کا اس کام کے اہل نہ ہوں یا وہ اپنے فرائض منصبی کو انجام نہ دیں تو وہ ادارہ قائم کرنے والے کی ہزار نیک نیتی کے باوجود کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اسلامی قوانین کی تدوین کے سلسلہ میں سب سے زیادہ ذمہ داری اسلامی نظریاتی کونسل پر عائد ہوتی ہے جس کی یہ آئینی ذمہ داری اور اس کے فرائض میں داخل ہے جیسا کہ دفعہ ۲۳۶ کے آئین ۷۳ء کے درج ذیل فقرہ میں بتایا گیا ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل ایسی سفارشات پیش کرے گی جن پر عمل کر کے موجودہ قوانین کو بتدریج اسلامی انداز میں ڈھالا جاسکے گا (آئین ص ۹۴)

اس کونسل کے ارکان میں دوسرے زعماء اور ماہر قانون ججوں کے علاوہ علماء کرام مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ، مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ، مولانا محمد تقی عثمانی وغیرہ شامل رہے ہیں اور اس نے اسلامی قوانین کی تدوین کا کام کافی حد تک سرانجام دیا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ہماری اسمبلی ان سفارشات سے راہنمائی حاصل کر کے مروجہ تمام قوانین کو اسلامی طرز پر ڈالنے

کا فرض جلد سے جلد انجام دے کر خدا تعالیٰ اور بندوں کے نزدیک سرخرو ہو۔

ہماری پر خلوص دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری اسمبلی اور حکومت کو سلامت فکر کے ساتھ اسلامی قوانین کے بنانے اور ان کو نافذ کر کے اسلام کی صحیح خدمت کرنے کی توفیق بخشے اور سابقہ حکومتوں نے اب تک جتنے بھی اسلامی اقدامات کئے ہیں ان کی تکمیل میں مقصد و پھر کوشش کرتے رہیں۔

آخری گزارش

آخر میں ہم اسمبلی کے تمام ارکان سے پرزور گزارش کرتے ہیں کہ وہ اپنی اس آئینی ذمہ داری کے ادا کرنے میں ہر ممکن سعی اور کوشش سے کام لیں جو آئین کی دفعہ نمبر ۲۲۷ کی رو سے ان پر عائد ہوتی ہے جس میں یہ ضمانت دی گئی ہے کہ ملک میں جو بھی قانون سازی ہوگی وہ قرآن و سنت کے موافق ہوگی اور قرآن و سنت سے متصادم کوئی قانون منظور نہیں کیا جائے گا۔ اسمبلی کو چاہئے کہ وہ جلد سے جلد اس دفعہ کے تقاضوں پر عمل کرتے ہوئے تمام شعبہ ہائے زندگی میں اسلامی قوانین کو ملک میں نافذ کر دے اور جس قدر کام اسلامی قوانین کے بارہ میں آئین کی دفعہ نمبر ۲۲۸ (نظریاتی اسلامی کونسل) کیا کسی بھی دوسرے طریق کار کی رو سے ہو چکا ہے اس کا پورا پورا تحفظ کرے اور آئین سازی میں اس سے پورا پورا استفادہ کیا جائے، یہی آئین پاکستان اور اس کے اسلامی جمہوریہ پاکستان کا تقاضا ہے۔ ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری اسمبلی کو توفیق عطا فرمائے تاکہ وہ اپنی اس آئینی ذمہ داری سے سبکدوشی حاصل کر سکیں (آئین)

سید عبدالشکور رزندی

مہتمم و مفتی مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال سرکودھا
(ورکن مجلس صیائید المسلمین پاکستان)

ضبط و ترتیب: حافظ محمد نعمان حامد

مکالمہ بین المذاہب اور اس کا تصور (قسط ۲)

مفتاح حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری دامت برکاتہم

بتاریخ ۸ دسمبر ۲۰۰۷ء..... بمقام آواری ٹاورز، کراچی

مکالمہ بین المذاہب کے بارے میں غلط تصورات

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آج کے اس دور میں یہ مکالمہ جتنا پہلے ضروری تھا اس سے زیادہ ضروری اس لئے ہو گیا کہ یہاں آپ نے دیکھا کہ پوری دنیا کے لوگ اکٹھے رہ رہے ہیں، اس بناء پر یہ مکالمہ ایک ضرورت بھی ہے اور حقیقت بھی ہے، اور زمینی حقائق سے کبھی آنکھیں بند نہیں کی جاسکتیں۔ لیکن اس مکالمہ بین المذاہب کا مقصد کیا ہے؟ ضرورت کیا ہے؟ اس کا تصور کیا ہے؟ پہلے میں ان خیالات اور تصورات کی بات کروں گا جو میں سمجھتا ہوں کہ مکالمہ بین المذاہب کے عنوان سے مطابقت نہیں رکھتے، جو غلط اور خلاف دین (اسلام) یا خلاف حقیقت کہہ لیں۔

مثال کے طور پر ایک مطلب مکالمہ بین المذاہب کا اور انٹرفیئر ڈائیلاگ کا یہ سمجھا جاتا ہے کہ تمام مذاہب کے اندر جو مشترک چیزیں ہیں ان سب کو یکجا کر کے، اکٹھا کر کے ایک نیا مذاہب تیار کر لیا جائے، گویا مکالمہ بین المذاہب کا مطلب ہوا کہ نئے مذاہب کی تیاری، اسلام میں، یہودیہ میں، نصرانیت میں، اسی طرح باقی قوموں میں جتنی بھی کامن اور مشترک چیزیں ہیں ان تمام کو اکٹھا کیا جائے اور مشترک چیزوں کی بنیاد پر ایک نیا مذاہب تیار کر لیا جائے، یہ تصور اکبر کا تھا جس پر اس نے ”دین الہی“ کے نام سے کام کیا تھا۔ یہ غلط ہے، یہ اسلام کے اصولوں کے خلاف ہے اور یہ کبھی ممکن ہی نہیں، اور جس نے بھی ایسا کیا اس کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا، یہ نہیں ہو سکتا۔ سب سے پہلے بنیادی چیز تو حید ہے، اس تو حید کے عقیدہ کی بناء پر ہی آپ دیکھیں کتنا اختلاف ہے؟ یہودی کیا نظریہ رکھتے ہیں؟ عیسائی کیا نظریہ رکھتے ہیں؟ اور مسلمان کیا رکھتے ہیں؟

ایک تصور یہ ہے کہ مشترک چیزوں کو بنیاد بنایا جائے، تو اس لئے بعض لوگوں نے کہا کہ اخلاقیات مشترک ہیں ہمارے پاکستان میں بھی اعلیٰ سطح کی شخصیات نے یہ کہا تھا اور خود ہمارے

سابق وزیر تعلیم نے بھی کہا تھا جس کو یہ پتہ بھی نہیں تھا کہ قرآن پاک کے پارے تیس ہیں یا چالیس، مجھ سے ایک دفعہ وائس آف امریکہ کے پروگرام میں پوچھا گیا کہ پاکستان کی تعلیم کا سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے؟ تو میں نے کہا کہ تعلیم کا سب سے بڑا مسئلہ پاکستان کا وزیر تعلیم ہے، جو وزیر تعلیم کی بجائے وزیر جہالت کہلائے جانے کے قابل ہے، جس کو یہ معلوم نہیں کہ قرآن کے پارے تیس ہیں یا چالیس۔ ان لوگوں کی طرف سے کہا گیا کہ ہم اسلامیات کا ایسا نصاب بنانا چاہتے ہیں جس میں اخلاقیات ہوں، نماز کے مسائل مثلاً رفع یدین پر اختلاف ہے یا اور چیزوں پر اختلاف ہے، تو انہوں نے اس کو بہانہ بنایا یعنی اسلامیات سے نماز نکال دو، اذان نکال دو، یہ تمام چیزیں اختلافی ہیں، اور جو چیزیں اتفاقی ہیں یعنی اخلاقیات مثلاً جھوٹ نہیں بولنا چاہئے، خیانت نہیں کرنی چاہئے، یہ چیزیں مشترک ہیں نصاب میں صرف ان چیزوں کا ذکر ہونا چاہئے۔ اخلاقیات کو ذکر کر دو اور عقائد و نظریات کو نصاب میں سے نکال دو۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ مذہب کے خلاف سازش ہے، اس پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے، عام طور پر ہم لوگ سادہ ہوتے ہیں ہمیں پتہ نہیں چلتا اور سوچتے ہیں کہ بات تو ٹھیک کر رہا ہے چلیں جو دین سیکھنا ہے نماز عبادات اور عقیدہ وغیرہ وہ تو بچہ گھر میں سیکھ لے گا اور سکول میں آئے گا تو سکول میں آ کر اس کو تو حید کے بنیادی عقیدے کی، رسالت کی، ختم نبوت کے عقیدے کی ضرورت نہیں ہے اور یہاں جناب والا! اس کو صرف یہ سکھایا جائے کہ ماں کا احترام کرنا ہے، باپ کا احترام کرنا ہے، سچ بولنا ہے، جھوٹ نہیں بولنا۔ اس طرح کی کامن چیزیں جو اخلاقیات ہیں ان کو بنیاد بنایا جائے عقائد و نظریات اور افکار اور فکری چیزوں کو ایک طرف کر دیا جائے، تو اس لحاظ سے مکالمہ بین المذاہب کا یہ مطلب نہیں، اور اگر کوئی یہ مطلب لیتا ہے تو وہ غلط ہے کہ تمام مذاہب کے اندر سے مشترک اور کامن چیزوں کو نکال کر ایک نیا مذہب دے دیا جائے جس پر پوری دنیا اکٹھی ہو جائے۔

دوسرا اس عنوان سے جو غلط مطلب لیا جا رہا ہے وہ ہے اتحاد مذاہب، یعنی دنیا کے تمام مذاہب صحیح ہیں اور برحق ہیں اور انسان جو بھی مذہب اختیار کر لے سب ہی آسمانی مذہب ہیں، برحق ہیں، لہذا وہ جو بھی اختیار کر لے وہ ناجی ہوگا، نجات پانے والا ہوگا، اور یہ ہدایت و نجات کے راستے ہیں۔ یہاں درکئے ہم لوگ اتحاد مذاہب کے نہیں اتحاد دین کے قائل ہیں، ہمارے نزدیک حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی کریم ﷺ تک ایک ہی دین آیا ہے، ہم وحدت ادیان کی بات نہیں کرتے ہم وحدت دین کی بات

کرتے ہیں، یعنی ہمارے نزدیک دین ایک ہی تھا شروع دن سے اسلام، اور اس کا آخری اور فائنل ایڈیشن قطعی اور حتمی وہ ہے جو امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ لے کر آئے اور باقی سب منسوخ ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر آج موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو میری اتباع کے بغیر ان کو کوئی چارہ نہ ہوتا اور عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے تو میرا کلمہ پڑھیں گے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ایک ہی دین تھا جس کو حضرت آدم علیہ السلام لائے، جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام لائے، جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام لائے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام لائے، اب اس دین واحد کی قطعی، حتمی، دائمی اور ابدی جو شکل ہے وہ صرف شریعت محمدی ہے۔

لہذا یہ عنوان اور یہ کہنا کہ تمام مذاہب ٹھیک ہیں اور اس بین المذاہب ہم آہنگی کا یہ مطلب لیما جو میں نے عرض کیا کہ ایک مطلب ہے کہ نیا مذاہب تیار کرنا جس کو آپ عنوان ”اشتراک فی المذاہب“ کا بھی دے سکتے ہیں، جس کو آپ عنوان مشترکہ مذاہب کا بھی دے سکتے ہیں، اور دوسرا یہ کہ اتحاد مذاہب کی بات کرنا کہ تمام مذاہب ایک ہیں۔

پشاور میں ایک کانفرنس میں شرکت کرنے کا موقع ملا، اس میں مختلف مذاہب کے لوگ بھی تھے، تو اس میں ایک ہندو رہنما نے اور اس کے بعد ایک سکھ رہنما نے اپنی گفتگو میں اپنی کتابوں کے وہ حوالے دینا شروع کر دیئے کہ آپ کے ہاں نماز کا تصور ہے ہمارے ہاں بھی نماز کا تصور ہے، آپ کے ہاں روزہ کا تصور ہے ہمارے ہاں بھی روزہ کا تصور ہے اس کے بعد میں نے تقریر کی تو میں نے کہا کہ یہ باتیں موضوع کے خلاف ہیں اور نہ یہ اسلام کے اصولوں سے ہم آہنگ ہیں، ہم اسلام کو جو حضور علیہ السلام لے کر آئے ہیں اس کو آخری اور قطعی شکل سمجھتے ہیں، ”اتحاد فی المذاہب“ یا ”اشتراک فی المذاہب“ یہ مذہبی ہم آہنگی کا معنی نہیں ہے، مکالمہ بین المذاہب کا یہ مطلب نہیں ہے، پھر مکالمہ بین المذاہب کا کیا مطلب ہے؟..... (جاری ہے)

مفتی محمد عبداللہ چنیوٹی

احکام القرآن مفتی عبدالشکور ترمذی کا منہج

تحقیقی جائزہ (قسط ۴)

احکام القرآن مفتی محمد شفیع صاحب کا مختصر تعارف اور منہج

قرآن کریم کی پانچویں اور چھٹی منزل مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے سپرد ہوئی، آپ نے سورۃ الشعراء سے سورۃ القصص کے دوسرے رکوع تک حضرت تھانوی کے سامنے لکھا تھا باقی حصہ حضرت کی وفات کے بعد مکمل کیا۔

مؤلف: مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی (م ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء)

تکمیل مسودہ: سورۃ الشعراء تا سورۃ یس مکمل ۴ ذی الحج ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۲ء

سورۃ صافات تا حجرات مکمل ۱۹ رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸ء

حصہ متن مطبوعہ: جلد اول سورۃ الشعراء تا سورۃ یس مکمل، صفحات ۵۸۴

جلد دوم سورۃ صافات تا حجرات مکمل، صفحات ۳۲۲

ناشر: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

سال طباعت: ۱۹۸۷ء ۵۶

اسلوب

مفتی شفیع صاحب چونکہ بنیادی طور پر فقیہہ و مفتی ہیں، اس لئے ان کے حصہ میں فقیہانہ اسلوب غالب ہے، مولانا نے اس حصہ میں جو اسلوب برقرار رکھا ہے بنیادی خدوخال اس کے تقریباً وہی ہیں جو مولانا ظفر احمد عثمانی کے تالیف کردہ حصہ کے ہیں، مولانا کے اسلوب کی نمایاں خصوصیات یہ ہیں:

- ۱۔ متن آیت یا آیات کو نقل کیا جاتا ہے۔
- ۲۔ بعض الفاظ کی لغوی تشریح کی جاتی ہے۔
- ۳۔ آیت سے مستنبط مسائل کو بیان کیا جاتا ہے۔

- ۴۔ فقہاء کی آراء اور ان کے دلائل نقل کئے جاتے ہیں۔
- ۵۔ ترجیح مسلک حنفیہ کو دے جاتی ہے اور اس کے وجود ترجیح بھی ذکر کئے جاتے ہیں۔
- ۶۔ فوائد کے عنوان سے بعض لطیف فوائد بیان کئے جاتے ہیں۔
- ۷۔ کسی کسی مقام پر ”قال العبد الضعیف“ کے عنوان سے مفتی صاحب نے اپنی رائے کا بھی

اظہار کیا ہے ۱۷۷

- ۸۔ بعض جدید مسائل پر بھی گفتگو کی ہے مثلاً آیت لو لا نزل هذا القرآن علی رجل من القریبتین عظیم ۱۸ کی تشریح کے ضمن میں مولانا نے قال العبد الضعیف کے عنوان سے اسلام کے معاشی اصولوں پر تفصیل سے بحث کی ہے اور اشتراکی و استعماری نظریات کی بھرپور انداز میں تردید کی ہے ۱۹
- ۹۔ احکام القرآن کی تصنیف میں تو دورہ تفسیر کے طلباء کیلئے قرآن کریم سے صرف دلائل حنفیہ کا استنباط ہی پیش نظر تھا مگر کام شروع ہونے کے بعد حضرت تھانوی کی رائے گرامی اس تالیف کے موضوع کو عام اور وسیع کرنے کے بارہ میں ہوئی اور صرف دلائل حنفیہ فقہیہ ہی نہیں بلکہ مطلقاً احکام خواہ احکام فقہیہ ہوں یا عقائد و تصوف اور اخلاق تمدن اور نئی تعلیم کے اثر سے پیدا ہونے والے شکوک و شبہات ہوں، سب کا استنباط موضوع بحث بنالیا گیا، پھر اس کا نام بھی وسعت موضوع کے لحاظ سے دلائل القرآن کے بجائے احکام القرآن تجویز فرمادیا گیا۔

غرضیکہ علم تفسیر کی یہ وہ محققانہ اور بلند پایہ کتاب ہے جس کی تصنیف و تالیف کیلئے حضرت تھانوی کی نظر انتخاب حضرت مفتی محمد شفیع صاحب پر پڑی، حضرت تھانوی نے آں موصوف کو اس خدمت کے انجام دینے کیلئے مامور و منتخب فرمایا تھا۔

یہ کام حضرت مفتی صاحب کے تفقہ اور استنباط مسائل وسعت نظر کا آئینہ اور حضرت موصوف کی وسعت معلومات کا گنجینہ ہے، حضرت مفتی صاحب نے اس کتاب کی تالیف میں انتہائی دیدہ ریزی اور محنت اور بڑی تحقیق و تدقیق کے ساتھ فقہ اور عقائد نیز معاشی اور معاشرتی مسائل کا بہت بڑا گرانقدر ذخیرہ جمع فرمایا ہے، خاص طور سے ایسے مسائل کی توضیح و تفصیل پر زیادہ زور دیا ہے جو عہد حاضر میں خصوصیت کے ساتھ قابل لحاظ ہیں اور ان کے بارہ میں پہلے علماء کی کتابوں میں ایک جگہ تفصیلی بحث دستیاب نہیں ہوتی۔

بعض مسائل پر مبسوط و مفصل بحثوں نے مستقل رسالوں کی شکل اختیار کر لی ہے جن کو احکام القرآن کا جز بنا دیا گیا ہے ۹۰۔
ماخذ و مصادر

مولانا نے بھی کم و بیش انہی ماخذ سے استفادہ کیا ہے جو مولانا ظفر احمد عثمانی کے پیش نظر تھے البتہ مولانا نے تفسیری کتب میں علامہ ابن عربی کی احکام القرآن، علامہ قرطبی کی الجامع لاحکام القرآن، علامہ ابن کثیر کی تفسیر القرآن العظیم، علامہ جلال الدین سیوطی کی الدر المنثور اور علامہ آلوسی کی روح المعانی سے زیادہ استفادہ کیا ہے، مولانا عثمانی کے مقابلہ میں آپ نے حصص پر کم ہمار کیا ہے، اسی طرح مولانا عثمانی نے مجموعہ ہائے حدیث سے جس قدر استفادہ کیا ہے مفتی صاحب نے کسی قدر کم کیا ہے کہ ان کے حصہ میں فقہی رنگ غالب ہے ۹۱۔

احکام القرآن مولانا محمد ادریس کاندھلوی کا مختصر تعارف اور منہج

مؤلف	حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی
حصہ متن	سورۃ ق تا سورۃ الناس مکمل
تکمیل مسودہ	بروز جمعۃ المبارک ۲۷ شوال المکرم ۱۳۶۴ھ
مطبوعہ	ادارہ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی
سال طباعت	۱۴۰۷ھ / ۱۹۸۷ء
صفحات	۱۲۹ ۹۲

اسلوب

مولانا کا تالیف کردہ یہ حصہ دیگر تمام حصوں کے مقابلہ میں بہت مختصر ہے، مولانا کے اسلوب کے بنیادی خدوخال وہی ہیں جو کتاب کی ابتدا سے چلے آ رہے ہیں، البتہ خصوصیت کے ساتھ مولانا کا اسلوب مولانا ظفر احمد عثمانی سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے مولانا عثمانی کا اسلوب بھی محدثانہ و متکلمانہ تھا اسی طرح مولانا کا اسلوب بھی محدثانہ و متکلمانہ ہے۔

مولانا نے اپنے حصہ میں لغوی بحث بھی نہیں کی اور احکام کے بیان میں بھی بہت اختصار سے کام لیا، ہر سورت کا عنوان قائم کرنے کے بعد اس کی صرف احکام سے متعلق آیت کا ایک کلمہ نقل

کر کے بغیر کسی تمہید کے احکام پر بحث ہوتی ہے، فقہاء کے اختلاف کی صورت میں چاروں ائمہ کے مسائل نقل کرنے کے بعد صرف احناف کی تائید میں چند حدیثیں نقل کرتے ہیں، صرف فقہی مسائل پر بحث کی ہے، کلامی مسائل پر نہیں کی ۹۳
ماخذ و مصادر

مولانا نے اس حصہ میں علامہ سیوطی کی الکلیل سے سب سے زیادہ استفادہ کیا ہے اس کے بعد علامہ جصاص کی احکام القرآن مولانا کے پیش نظر رہی ہے، ان دو کتب کے علاوہ علامہ ابن عربی کی احکام القرآن، علامہ قرطبی کی الجامع لاحکام القرآن، علامہ آلوسی کی روح المعانی اور امام رازی کی تفسیر کبیر آپ کے ماخذ میں شامل ہیں ۹۴

مصادر و مراجع

- ۹۶ احکام القرآن مفتی محمد شفیع دیوبندی ج ۲، ۱، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی، ۱۴۰۷ھ۔
- ۹۷ مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی تفسیری خدمات، ڈاکٹر محمد سعد صدیقی، ص ۳۸۷۔
- ۹۸ الزخرف ۳۱:۴۳۔
- ۹۹ احکام القرآن مفتی محمد شفیع ج ۲، ۱، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی، ۱۴۰۷ھ۔
- ۱۰۰ ماہنامہ، البلاغ (مفتی اعظم نمبر) ص ۶۸۰، دارالعلوم کراچی۔
- ۱۰۱ احکام القرآن مفتی محمد شفیع ج ۲، ۱، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی، ۱۴۰۷ھ۔
- ۱۰۲ احکام القرآن للکاندھلوی ۱۲/۵، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی، ۱۴۰۷ھ۔
- ۱۰۳ مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی تفسیری خدمات، ڈاکٹر محمد سعد صدیقی، ص ۳۸۸۔
- ۱۰۴ احکام القرآن للکاندھلوی ۱۲/۵، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی، ۱۴۰۷ھ۔

شیخ القراء مولانا قاری محی الاسلام پانی پتی رحمہ اللہ (نویں و آخری قسط)

دوسری جنگ عظیم کے زمانہ میں روزمرہ کی اشیائے ضرورت مایہد ہو گئی تھیں، جو کچھ ملتا تھا راشن بندی کی قیود کے ساتھ یا بہت گراں قیمت پر ملتا تھا۔ ان دنوں پانی پت میں کپڑے کی فروخت پر سرکاری کنٹرول نافذ کر دیا گیا اور یہ حکم ہوا کہ ہر علاقہ میں دو معززین شہر کو یہ اختیار دے دیا گیا ہے کہ وہ ضرورت مندوں کو بیس گز تک کپڑا خریدنے کا پرمٹ جاری کر دیں اور اس پرمٹ پر دکاندار کپڑا فروخت کرے۔ ہمارے محلہ میں ابا جان کو اور ان کے علاوہ ایک ہندو وکیل کو یہ اختیار ملا، ابا جان صبح اپنے درس و تدریس کے معمولات سے فارغ ہو کر خود بازار میں جا بیٹھتے کہ حاجت مندوں کو ان کے گھر آنے کی رحمت بھی نہ ہو۔ یہ انتظام کتنا عرصہ چلا اب یاد نہیں، اس کا ذکر ایک واقعہ کی تمہید کے طور پر درمیان میں آ گیا ہے۔ جب ۴۷ء کے فسادات کے بعد ہم سب محلہ مخدوم زادگان بطور ریغمال کو یا مقید تھے تو ایک صاحب ایک روز میرے پاس آئے اور کہنے لگے میرے پاس آپ کی ایک امانت ہے، شہراب اجڑ چکا ہے معلوم نہیں زندگی میں پاکستان پہنچنا نصیب ہوتا بھی ہے یا نہیں، اور اگر پہنچے بھی تو پھر ملاقات شاید کبھی بھی نہ ہو، اس لئے وہ امانت مجھ سے وصول کریں۔ میں منتظر ہوا کہ دیکھئے کیا دیتے ہیں، وہ میرے پاس بیٹھ گئے، کہنے لگے جس زمانے میں قاری صاحب کپڑے کے پرمٹ جاری کرتے تھے میں ان کے پاس آیا اور ان سے بیس گز کپڑے کا پرمٹ مانگا، وہ فرمانے لگے میاں تم تنہا ہونی الحال دس گز کپڑا لے لو، پھر کچھ روز بعد اور لے لینا، میں دل میں ناراض ہوا کہ بھلا میں ان کی جیب سے تو کپڑا نہیں خرید رہا اور دس گز کا پرمٹ لئے بغیر چلا گیا، میرے دل میں اتنا رنج تھا کہ میں نے قاری صاحب کا تعاقب کرنے کا فیصلہ کیا کہ وہ خود کتنا کپڑا گھر لے جاتے ہیں، چنانچہ اپنے دستور کے مطابق جب وہ دوپہر کے وقت بازار سے واپس چلنے لگے تو انہوں نے ایک دکان سے بیس گز کپڑا خریدا، اس کے بعد انہوں نے دوسری دکان سے مزید بیس گز کپڑا لیا اور پھر تیسری دکان سے اور بیس گز لے لیا اور تینوں بنڈل اٹھا کر بمشکل وہاں سے چلے، میں بہت خوش تھا کہ عین ان کے گھر کی دہلیز پر انہیں شرمندہ کروں گا کہ آپ تو ساٹھ گز کپڑا بیک وقت لے آئیں اور مجھے بیس گز کا پرمٹ دینا بھی آپ پر شاق ہو۔

ابھی قاری صاحب گھر سے کچھ دور ہی تھے کہ بی سیدانی کے محلہ کی طرف مڑ گئے اور ایک گھر کے

دروازہ پر دستک دی جس میں ایک بیوہ سیدانی رہتی تھیں، اندر سے انہوں نے پوچھا کون ہے؟ قاری صاحب نے جواب دیا بہن میں ہوں محی الاسلام، آپ کا کپڑا لایا ہوں، ان خاتون نے کواڑ کی اوٹ سے ہاتھ بڑھا دیا اور قاری صاحب ایک بندل ان کے حوالہ کر کے جلدی سے مڑ گئے۔ وہ بیوہ خاتون انہیں دعائیں دیتی رہیں جنہیں غالباً قاری صاحب نے تو نہیں سنا لیکن میں دہلیز میں چھپا ہوا سن رہا تھا۔ اب قاری صاحب اپنے گھر کی طرف بڑھے تو میں بدستور تعاقب میں تھا اور سوچ رہا تھا کہ چلو ساٹھ گز نہ سہی چالیس گز بھی تو قانون کی اجازت سے دو گنا ہے، لیکن قاری صاحب اپنے گھر کی گلی میں مڑنے کی بجائے آگے نکل گئے اور اس گرمی کی دوپہر میں کافی فاصلہ طے کر کے رانیوں کے محلہ میں پہنچے اور وہاں ایک بیوہ کے گھر کے دروازہ پر دستک دے کر ایک بندل اس کے حوالہ کر دیا۔ اب میرے لئے ان کا پیچھا کرنے کا کوئی جواز تو نہیں تھا لیکن ایک قسم کا تجسس مجھے کشاں کشاں لئے جا رہا تھا۔ قاری صاحب اس علاقہ سے نکل کر ایک اور جانب چل پڑے اور خاکروبوں کے کٹڑہ میں جا پہنچے، وہاں ایک ماہینا بیوہ کے دروازہ پر دستک دی اور اس کے پوچھنے پر وہی جواب دیا کہ میں ہوں محی الاسلام تمہارے لئے کپڑا لایا ہوں جو تم نے منگوایا تھا اور تیسرا بندل اس ماہینا بیوہ کے حوالہ کیا۔ وہ انہیں دعائیں دیتی رہی اور قاری صاحب خاموشی سے اپنے گھر کی طرف چل پڑے، میں اپنے دل میں اس قدر شرمسار تھا کہ جی چاہتا تھا زمین پھٹ جائے اور میں اس میں دفن ہو جاؤں، دوسری طرف خیال آتا تھا کہ میں خود آگے بڑھ کر قاری صاحب سے معذرت کروں اور معافی مانگوں، لیکن نفس کی شرارت نے اتنا حوصلہ نہ کرنے دیا۔ آج تک یہ واقعہ بطور امانت میرے سینے میں دفن تھا، آج آپ کے سپرد کر کے اپنے ضمیر کے بوجھ کو کچھ ہلکا کر رہا ہوں۔ میں حیرت سے ان صاحب کے اس بیان کو سن رہا تھا، اس لئے کہ ابا جان کے کردار کے اس پہلو سے میں خود آشنا تھا۔ اس روز اس حدیث کا مفہوم میری سمجھ میں آیا کہ خیرات اس طرح کرو کہ تمہارے ہاتھ کو پتہ نہ چلے تمہارے دعائیں ہاتھ نے کیا دیا ہے۔

اوکاڑہ میں آباؤ ہو جانے کے بعد کچھ عرصہ تو خاصا فراغت سے گزرا، لیکن جب یکا یک سیلاب آ جانے کے سبب وہ بھٹہ بیٹھ گیا جس کی آمدنی پر بسر اوقات تھی اور اس میں لگایا ہوا تمام سرمایہ ڈوب گیا تو سخت تنگی پیش آنے لگی۔ اس دوران میں ان کی دیانت، توکل اور سیر چشمی کے دو عجیب واقعات پیش آئے۔ ہماری زرعی زمین کے کلیم تصدیق ہو کر لاہور سے آگئے تو بھائی جان متعلقہ نائب تحصیلدار سے الاٹمنٹ کیلئے ملے، اس نے کہا آپ کے پانچ مربع تصدیق ہو کر آئے ہیں، میرا اختیار دو مربع الاٹ کرنے کا ہے، آپ

مجھے..... ہزار روپیہ فی مربع دیں تو میں زمین آپ کو دے دوں گا۔ بھائی جان نے خلاف عادت اس بات کا ذکر ابا جان سے کر دیا، وہ بہت دل گیر ہوئے کہ الہی! ہم اس پاک وطن میں بھی اپنی زندگی اپنے دین کے سانچے میں نہیں ڈھال سکتے، اپنے تمام کاغذات اٹھا کر تحصیلدار کے پاس گئے اس سے اس ماروا مطالبہ کا شکوہ کیا اور کل کاغذات اس کے سپرد کر کے چلے آئے فرمایا ہم اپنا سب کچھ اللہ کیلئے چھوڑ کر صرف ہجرت کی دولت اور ثواب لے کر اس پاک وطن میں آئے ہیں، اب اگر یہ دولت زمین، جائیداد کیلئے لٹانا پڑ رہی ہے تو یہ سودا بہت مہنگا ہے ہمیں منظور نہیں پھر ہم نے نہ وہ کلیم فارم دیکھے نہ وہ مربعے، بھائی جان اس کے بعد اکثر پچھتاتے تھے کہ میں نے ابا جان کو خبر ہی کیوں کی اور بہت دوڑ دھوپ اس سلسلہ میں کرتے رہے، لیکن ابا جان جتنی مدت اس کے بعد زندہ رہے کبھی اشارۃً بھی انہوں نے اس نقصان کا ذکر نہ کیا، نہ کسی حاکم کے سامنے فریاد کی، بس اپنے خدا پر سب کچھ چھوڑ دیا۔

دوسرا واقعہ غالباً ان کے انتقال سے چند ماہ پہلے کا ہے گھر میں تنگی اتنی بڑھ گئی تھی کہ خود ان کے علاج کیلئے دوائیں تک خریدنا محال ہو گیا تھا، لیکن وہ ہر تکلیف سے بے نیاز جامعہ کول چوک کی تعمیر میں منہمک تھے، ان دنوں محترم شیخ انوار الحق صاحب ڈی، بی منگمری تھے، مجھے نہیں معلوم کہ انہیں ابا جان سے کب سے تعارف تھا، لیکن اپنی فطری نیکی اور شرافت کے سبب وہ ابا جان سے بہت محبت اور عقیدت سے پیش آتے تھے۔ ایک روز ایک سرکاری اہلکار نے آ کر اطلاع دی کہ صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر اوکاڑہ تشریف لارہے ہیں اور ابا جان سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں، شام کو ابا جان جب جانے لگے تو اماں جان نے بہت زور دے کر کہا کہ دیکھنا موقع ملے تو ان سے اپنی حالت بیان کر دینا، وہ یقیناً کوئی انتظام کر دیں گے۔ شیخ صاحب حسب عادت نہایت احترام سے پیش آئے، اپنے ساتھ بٹھلیا حالانکہ پورا دربار لگا تھا اور حکام ضلع کے علاوہ معززین شہر بڑی تعداد میں مدعو تھے، پوچھا کوئی خدمت ہو تو فرمائیے، بولے مسجد کی تعمیر سیمنٹ کی کمیابی کی وجہ سے رکی ہوئی ہے اس کا کوئی انتظام ہو جائے تو عنایت ہوگی۔ شیخ صاحب نے فوراً ایک افسر کو حکم دیا کہ ہم نے آج ہی سیمنٹ کا جو ٹاک سر بمبر کیا ہے وہ جامعہ کول چوک کو کنٹرول قیمت پر دے دیا جائے، پھر نہایت راز داری سے کہا میرا جی چاہتا ہے آپ کی کوئی ذاتی خدمت کرنے کی سعادت مجھے ملے، آپ کوئی اپنی ضرورت تو بیان فرمادیں، ابا جان بہت شکر گزار ہوئے لیکن جواب یہی دیا کہ خدا کا فضل ہے کوئی حاجت نہیں ہے۔ اماں جان نے سنا تو بہت مایوس ہوئیں، لیکن ابا جان نے اپنی شان، اپنی وضع داری اور اپنے تقویٰ کے عین مطابق

جواب دیا کہ بیگم جس مالک کے ذمہ ہماری حاجت روائی ہے اسے ہماری ضروریات کا ہم سے زیادہ علم ہے، میں بھی اسی سے مانگتا ہوں آپ بھی اسی کی بارگاہ میں عرض معروض کریں، بندوں کے سامنے کیا ہاتھ پھیلاؤ۔ اماں جان خاموش ہو گئیں اور پھر جتنے دن وہ زندہ رہے یہ تذکرہ ان کے سامنے نہیں ہوا۔

مضمون کی وسعت میرے ارادہ اور تجویز سے بہت زیادہ بڑھ چکی ہے اور ابھی بھی بہت کچھ کہنے کو باقی ہے، مگر میں صرف ایک اور مشاہدہ بیان کر کے ان کے ذکر کو آج کی نشست کیلئے ختم کرتا ہوں۔

اس واقعہ کی کوئی تو جیہ عالم اسباب میں تو ممکن نہیں، شاید کوئی عامل روحانیت اور عالم ماورائیت اس پر روشنی ڈال سکے۔ جیسا کہ عرض کر چکا ہوں ابا جان کا انتقال ۱۲ مارچ ۱۹۵۳ء کو ہوا، میں اس سال انٹر کے امتحان کی تیاری کر رہا تھا، سوئم کی فاتحہ کے بعد میں امتحان کیلئے لاہور آ گیا، جب امتحان سے فارغ ہو کر واپس گیا تو باجی نے بیان کیا کہ جب سے ابا جان کا انتقال ہوا ہے ہر جمعرات کو عصر اور مغرب کے درمیان ان کے کمرہ کے اس گوشہ سے جہاں ان کا پلنگ تھا نہایت تیز اور پاکیزہ خوشبو کی لپٹیں اٹھتی ہیں اور سارے گھر میں پھیل جاتی ہیں۔ میں نے اس بیان کو ان کی خوش عقیدگی، زنا نہ وہم پرستی اور دخترانہ محبت پر محمول کیا اور کچھ دھیان نہ دیا۔ گرمی کا موسم تھا میں شام کو بے دھیان صحن میں بیٹھا تھا کہ ایک دم نہایت نفیس خوشبو ہر طرف پھیل گئی، خوشبو ابا جان کے کمرہ سے آرہی تھی جس کا دروازہ صحن میں کھلتا تھا۔ میں چونک اٹھا، مجھے خیال ہوا ضرور کسی نے اگر بتی جلائی ہے، دوڑ کر کمرہ میں پہنچا وہاں قطعاً کسی قسم کا کوئی خوشبو کا ذریعہ نہیں تھا، نہ اگر بتی، نہ لوبان، نہ عطر، نہ پھول، کمرہ بالکل خالی تھا لیکن جس گوشہ میں ابا جان کا پلنگ ہوتا تھا وہاں اس قدر تیز نفیس اور مسحور کن خوشبو کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں جیسے کسی نے عطر کا کنٹرالت دیا ہو، وہیں سے وہ خوشبو نکل نکل کر سارے صحن میں پھیل رہی تھی اور یہ کیفیت مغرب کی اذان تک قائم رہی اور پھر خود بخود وہ خوشبو بند ہو گئی۔ میں نے پچھلے پینتیس سال میں یہ واقعہ اکثر اہل علم اور اہل حال کے سامنے بیان کیا، اس کی تو جیہ یہ بتائی جاتی ہے کہ یہ کیفیت بہت مادر ہے لیکن معدوم نہیں ہے، یہ ان برگزیدہ ہستیوں کے ساتھ مخصوص ہے جو اپنی زندگی قرآن کی خدمت اور اس کے مطالعہ میں بغیر کسی..... معاوضہ کے صرف کرتی ہیں۔ اس کی تصدیق چند برسوں کے بعد اس طرح ہوئی کہ راولپنڈی میں میری پھوپھی زاد بہن کا انتقال ہو گیا، نہایت نیک اور پاکباز خاتون تھیں اور تمام عمر قرآن سے خاص محبت کرتی رہیں، خود پرستی بھی تھیں اور بچیوں کو پرہیزگاری بھی تھیں۔ ان کا بھی ایک مخصوص کمرہ تھا اور اس کمرہ میں ایک مخصوص پلنگ تھا، ان کے انتقال کے بعد ان کے کمرہ سے بھی اسی طرح چہلم تک ہر جمعرات کی شام کو خوشبو کی لپٹیں اٹھ کر تھیں۔ (پانی پت کے قاری)

حافظ سمیع اللہ طاہر شیخوپورہ

وفات حسرت آیات

شیخ الحدیث حضرت مولانا قاری محمد یوسف صاحب رحمہ اللہ صدر مدرس جامعہ فاروقیہ شیخوپورہ
حامداً ومصلیاً ومسلماً اِنَّا بَعْدَ قَاعُوْذِ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ
الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْاَرْضُ (پارہ ۲۵، سورہ دخان، آیت نمبر ۲۹)
مفسرین نے اس آیت کی توضیح میں لکھا ہے کہ نیک آدمی کی وفات پر زمین و آسمان روتے
ہیں۔ شاعر نے کہا تھا کہ۔

حسرت مجھے ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مر جھا گئے
جبکہ یہاں معاملہ اور ہے کہ۔ جو جو بن دکھا کے تر پا گئے
قلق مجھے ان پھولوں پہ ہے ہر بہار میں پھول کھلتے ہیں اور اپنی خوشبو سے لوگوں کے دماغ معطر کرتے ہیں، اہل ذوق

پھولوں کی خوشنمائی دیکھنے کو ہر وقت بے قرار رہتے ہیں، آخر پھول دم توڑ ہی دیتے ہیں، ان سے محبت
کرنے والے ان کی یاد میں زندگی کے بقیہ ایام بے قراری سے گزارتے ہیں، لیکن پھولوں کی شگفتگی
فراموش کرنے کی کوشش کے باوجود بھول نہیں پاتی، ستارے اپنی چمک سے آسمان کو روشن کرتے ہیں
اور پھول اپنی خوشبو سے زمین کو معطر کرتے ہیں۔ شیخوپورہ کی سرزمین پر دو پھول کھلے یا دو ستارے چمکے،
پھولوں سے مشابہت دیں تو زمین کو ان دونوں نے معطر کیا، اگر ستاروں سے تشبیہ دیں تو آسمان علم روشن
ہوا۔ ان دونوں میں سے ایک بالاکوٹ کی سرزمین کا درنایاب ہے جبکہ دوسرے صفدر آباد (شیخوپورہ)
کی سرزمین کا گل سرسبد ہیں۔ خیر دونوں کا مرتبہ و مقام نہایت بلند و بالا ہوا لیکن اللہ تعالیٰ کی تقسیم بھی عالی
ہے، ایک کو بانی جامعہ فاروقیہ اور دوسرے کو صدر مدرس جامعہ ہذا بنایا، دونوں دین کے گلزار میں ایسے
جیسے کلی اور گلاب۔ ان میں سے ایک اچانک اللہ تعالیٰ سبحانہ کے پاس سدھارے جبکہ دوسرے لوگوں
کیلئے علم و عمل کا چراغ جلانے موجود ہیں، اللہ تعالیٰ ان کا ٹھنڈا سایہ تا دیر سلامت با کرامت رکھے۔ کچھ
معلوم نہ تھا کہ ۱۹۴۵ء میں پیدا ہونے والا ہونہار بڑا ہو کر علم کا دریا بنے گا، جس نے اپنی پوری زندگی

کو کھیل کود سے محفوظ رکھا۔ آپ ذہانت و فطانت کے اعتبار سے چنیدہ لوگوں میں سے تھے۔

کسی نے آپ کے والد محترم کو کہا حضرت! آپ کا بیٹا بہت ذہین ہے آپ اس کو سکول میں داخل کروائیں یہ بڑا ہو کر ڈاکٹر یا وکیل بنے گا، تو آپ کے والد محترم نے کہا میرا بیٹا اگر ذہین ہے تو میں اس کو دینی مدرسہ میں داخل کروانا ہوں تاکہ بجائے دنیا اکٹھی کرنے کے اس سے دینی خدمات فروغ پائیں، ماحول کی وجہ سے اپنی تعلیم کا آغاز دینی مدرسہ سے کیا۔ آپ کا نام محمد یوسف تھا، آپ نے مختلف دینی مدارس میں تعلیم حاصل کی، راجہ تک کی کتب آپ نے میاں علی ڈوگراں میں پڑھیں، اس کے بعد مدرسہ نصرۃ العلوم کو جرنوالہ، جامعہ رشیدیہ ساہیوال اور ۱۹۶۲ء میں ملک کی مشہور مذہبی، دینی درسگاہ جامعہ اشرفیہ لاہور میں دورہ حدیث شریف کے اسباق مشہور زمانہ شیوخ سے پڑھے۔ آپ کے اساتذہ کرام میں سے چند یہ ہیں مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب رحمہ اللہ، مولانا رسول خان صاحب رحمہ اللہ، مولانا سرفراز خان صفدر صاحب مدظلہ، مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ۔ آپ نے تقریباً چار ماہ کے قلیل عرصہ میں قرآن مجید حفظ کیا۔ یہی وہ ہستی ہیں جنہوں نے ضلع شیخوپورہ میں سب سے پہلے قراءت سبعہ پڑھی اور پڑھانے کا بھی شرف حاصل کیا۔ آپ کو فقہ کی بہت سی کتابوں کا بار بار درس دینے کا موقع ملا، بنا بریں ان کتب کی عبارتیں نوک زبان ہوئیں۔ آپ کے حفظ اور قراءت کے استاذ مولانا تقی الاسلام ہیں، احقر مضمون نویس بھی خوش قسمت ہے کہ اپنے شیخ کے استاد مکرم کو قراءت حفص کے امتحان دینے کا شرف پایا۔

جہاں یہ خوش قسمتی میری تقدیر میں تھی وہاں ایک اور خوش نصیبی یہ بنی کہ استاد مکرم مرحوم و مغفور نے اپنی زندگی کی آخری نماز فجر میری اقتداء میں ادا فرمائی۔ آپ نے دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ کچھ دنیاوی تعلیم بھی اپنے طور پر حاصل کی، آپ نے مدرسہ اور سکول کی مروج تعلیم کے علاوہ ذاتی محنت سے علم طب کی ڈگری بھی حاصل کی، لیکن بھرپور توجہ دینی علوم کی طرف ہی ہمیشہ رہی، طب میں مہارت آپ کی مستقل پہچان بنی۔ آپ مدرسہ سے سند فراغت پانے کے بعد ۱۰ سال تک مختلف مدارس میاں علی ڈوگراں، مانسہرہ، چک جھمرہ، خانقاہ ڈوگراں میں پڑھاتے رہے۔ بعد ازاں جامعہ فاروقیہ شرقیہ روڈ شیخوپورہ میں صدر مدرسین کی حیثیت سے تادم آخر خدمات سرانجام دیتے رہے، جامعہ فاروقیہ میں آپ کی دینی خدمات کا عرصہ ۳۰ سال پر محیط ہے، کل مدت رسی سفر ۴۰ سال ہوا۔

مدرس کے علاوہ آپ نے اپنی خاندانی روایت تصوف و سلوک کے مشاغل کو بھی اپنائے رکھا۔ آپ نے اپنی زندگی میں بھرپور عملی مصروفیات کے باوجود بہت سی مذہبی جماعتوں اور اداروں کی سرپرستی بھی جاری رکھی، آپ نے تحریک ختم نبوت اور دفاع صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں نمایاں کردار ادا کیا۔ جہاں آپ دینی اور مذہبی جماعتوں کے سربراہ تھے وہاں آپ ولی کامل کے مرتبہ پر بھی فائز تھے، آپ اپنے والد محترم مشہور ولی کامل مولانا محمد شعیب رحمہ اللہ خلیفہ مجاز مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کی دعاؤں اور محنتوں کا شیریں ثمر تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب خلیفہ چہارم داماد رسول ﷺ حیدر کرار حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ جہاں آپ عالم تھے وہاں آپ کے بیٹے، داماد اور پوتے، پوتیاں بھی عالم دین اور حافظ قرآن ہیں، دینی خدمات سے مزین پاکیزہ زندگی گزارنے کے بعد ۶۳ سال کی مسنون عمر میں اچانک عارضۂ قلب میں مبتلا ہو کر دار بقا کو روانہ ہو گئے (انا للہ وانا الیہ راجعون) حضرت کی زندگی کا ہر لمحہ دین کی خدمت کیلئے وقف رہا، حضرت کی وفات حسرت آیات سے علاقہ میں علمی سطح پر ایسا خلا پیدا ہوا جو عرصہ دراز تک پورا نہیں ہو سکتا، آپ کے لواحقین میں چار بیٹے اور چھ بیٹیاں ہیں۔ آپ کے فرزند گرامی علاقہ کی مشہور مذہبی شخصیات میں شمار ہوتے ہیں، آپ کے بیٹے اور آپ کے جانشین مولانا عبدالباسط صاحب ہیں، آپ کی جگہ پر تدریسی کام جامعہ ہذا میں آپ کے دوسرے بیٹے حضرت مولانا عبدالملک صاحب نے سنبھالا ہے، جبکہ طب کے کام کو آپ کے تیسرے بیٹے مولانا عبدالخالق صاحب نے اپنایا ہے۔

آپ کے جنازہ میں ہزاروں لوگوں نے شرکت کی، نماز ظہر کے بعد نائب مہتمم جامعہ ہذا نے اعلان کیا کہ آپ کا جنازہ تیار ہے تو لوگ آنسوؤں کی جھڑی میں سسکیاں بھرتے ہوئے آپ کے گھر کی طرف لپکے، جہاں ہزاروں لوگ پہلے موجود تھے، آپ کے سینکڑوں شاگرد غم و اندوہ میں ڈوبے ہوئے آپ کے جنازے کی طرف گئے، ہر آنکھ اشکبار تھی۔ آپ کی آخری آرام گاہ کو سینکڑوں طلباء اور اساتذہ کرام نے اپنے ہاتھوں سے تیار کیا۔ آپ کی نماز جنازہ جامعہ ہذا کے بڑے گراؤنڈ میں ادا کی گئی، آپ کی نماز جنازہ ولی کامل شیخ الحدیث بانی و مہتمم جامعہ فاروقیہ حضرت مولانا محمد عالم صاحب دامت برکاتہم نے پڑھائی، نماز جنازہ میں ملک کے مشہور و معروف علماء اور آپ کے شاگرد موجود تھے، چشم تصور دیکھ رہی تھی کہ آسمان رو رہا ہے اور فرشتے استقبال کیلئے زمین پر اترے ہیں اور جنت میں حوریں آپ کی منتظر ہیں۔

امداد السائل فی الاحکام والمسائل فقیہ العصر حضرت مفتی سید عبدالشکور زیدی قدس سرہ

الاستفتاء

حاکم وقت کو قصاص معاف کرنے کا اختیار نہیں

سوال یہ تھا کہ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر کسی کو قتل کر دے اور عدالت عالیہ سے قصاص کا حکم نامہ بھی جاری ہو جائے، لیکن حاکم وقت سے معافی کی استدعا کر کے خلاصی حاصل کر لی جائے تو کیا حاکم وقت کے بری کر دینے سے قصاص کا حکم ختم ہو سکتا ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

قتل عمد میں جبکہ تمام شرائط پائی جائیں جن میں سے بعض کا تعلق قاتل سے ہے اور بعض کا تعلق مقتول سے ہے اور بعض کا خود قتل سے اور بعض کا مقتول کے ولی سے ہے، قصاص واجب ہوتا ہے پھر اگر مقتول کا کوئی وارث معلوم ہو تو قصاص کا حقدار وارث ہی ہوگا۔ جیسے اس کے مال کا حقدار وارث ہی ہوتا ہے، کیونکہ قصاص ایک حق ثابت ہے اور وارث تمام لوگوں میں سے میت کے قریب ترین ہوتا ہے، لہذا قصاص کا حق اسی کو حاصل ہوگا۔ اگر وارث ایک ہے تو وہ قصاص کا حقدار ہوگا اور اگر متعدد ہوں تو وہ سب شرکت کے طور پر اس کے مستحق ہوں گے جیسے اس کی میراث کے وہ سب حقدار ہوتے ہیں۔

بدائع میں ہے فان كان له وارث فالمرستحق للقصاص هو الوارث كالمرستحق للمال لانه حق ثابت والوارث اقرب الناس الى الميت فيكون له ثم ان كان الوارث واحدا استحققه وان كان جماعة استحقوه على سبيل الشركة كالمال الموروث عنه (ج ۲ ص ۲۴۲) اور اگر مقتول کا کوئی وارث معلوم نہ ہو تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے قول کے مطابق سلطان اس کے قصاص کا مستحق ہوگا۔ وان لم يمكن له وارث ولاله مولی المعتاق ولاله مولی الموالاة كاللقبط وغيره فالمرستحق هو السلطان في قولهما (بدائع ج ۲ ص ۲۴۳)

لهما ان المكلام في قتل لم يعرف له ولي عند الناس فكان وليه

السلطان لقبوله عليه الصلوة والسلام السلطان ولي من لا ولي له (بدائع ج ۷ ص ۲۵۵) قرآن کریم میں ہے ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لوليه سلطانا فلا يسرف في القتل (الایہ پ ۱۵) اس آیت کریمہ سے بھی واضح ہو رہا ہے کہ اصل حق قصاص کا ولی مقتول کو حاصل ہے کیونکہ ولی کیلئے اصل اور حقیقی ولایت حاصل ہے۔ سلطان اس کا حکم ولی ہے جس کا کوئی حقیقی ولی نہ ہو۔ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی سلطان ہے غرضیکہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ مقتول کا ولی اس کے قصاص کا اصل حقدار ہے اس کے ہوتے ہوئے سلطان کو ولایت قصاص حاصل نہیں ہے، بلکہ ولی کی ولایت سلطان کی ولایت میں مانع ہے۔ اس لئے سلطان قصاص کے معاف کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ کیونکہ معافی کی شرط یہ ہے کہ صاحب حق کی طرف سے ہو کیونکہ معافی کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنا حق ساقط کر رہا ہے، اور جو شخص صاحب حق نہ ہو اس کے حق کو ساقط کرنا امر محال ہے۔ لہذا غیر صاحب حق کی طرف سے قصاص کی معافی صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس کا تو یہ حق ہی نہیں ہے اور جس کا حق ہے وہ معاف نہیں کر رہا تو پھر یہ معافی کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔ بلکہ اگر مقتول کا کوئی ولی معلوم نہ ہو تو بھی سلطان کو معافی کا حق نہ ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں اگرچہ وہ مقتول کا ولی ہوگا جیسا کہ حدیث بالا سے ثابت ہو رہا ہے مگر اس کو استیفاء قصاص کا تو حق ہوگا، لیکن معاف کرنے کا حق نہ ہوگا البتہ دیت پر مصالحت کرانے کا حق امام کو حاصل ہے۔ بدائع میں تصریح ہے کہ وللاامام ان يصالح علي الدية الا انه لا يملك العفو لان القصاص حق المسلمين بلليل ان ميراثه لهم وانما الامام نائب عنهم في الاقامت وفي العفو اسقاط حقهم اصلا وراسا وهذا لا يجوز ولهذا لا يملكه الارث والحلوان كانا يملكان استيفاء القصاص وله ان يصالح علي الدية كما فعل سيدنا عثمان رضي الله عنه (ج ۷ ص ۲۴۵) معلوم ہوا کہ ولی یا معلوم ہونے کی صورت میں بھی امام کو قصاص کے معاف کرنے کا حق حاصل نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں مقتول کے قصاص کا حق تمام مسلمانوں کو حاصل ہے اور امام مسلمانوں کی طرف سے بطور نیابت کے قصاص کے وصول کرنے کا تو مجاز ہے اس کو مسلمانوں کے حق کو معاف کر کے ساقط کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعہ میں ان کے بیٹے عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے ہرمزان

کو اپنے باپ کا قاتل سمجھ کر قتل کر دیا تھا۔ جب یہ معاملہ حضرت عثمان کے دربار میں پیش ہوا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دیت دے کر مصالحت کرادی اور بھی روایت ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قول انما ولیہ اعفو عنہ واؤدی دیتہ کا جیسا کہ صاحب بدائع نے اس کی وضاحت کی ہے و اراد بقوله اعفو عنہ واؤدی دیتہ الصالح علی الدیۃ (ج ۷ ص ۲۴۵) خلاصہ یہ ہے کہ امام کو معافی کا اختیار نہیں ہے، اگر ولی مقتول معلوم ہو تو اس کو مصالحت پر رضامند کیا جاسکتا ہے کہ وہ قصاص کے بجائے دیت لینے پر راضی ہو جائے اور دلائل کا ذکر مزید وضاحت کے لئے کیا جاتا ہے، ذیل میں ملاحظہ ہو، امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب الاصل ج ۴ ص ۵۱۹ میں ہے و اذا قتل الرجل عمداً وليس له ولی الا السلطان فالامام ان يقتض من قاتله ان شاء وليس له ان يعفو لانه لا يملك ذلك فان صالحه علی الدیۃ فهو جائز امام شمس الائمہ حسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وحق استيفاء القصاص يكون الى الولی كما قال الله تعالى فقد جعلنا لولیه سلطاناً ولان من لا يعرف له ولی فالامام ولیه كما قال ﷺ السلطان ولی من لا ولی له واثبت ان السلطان هو الولی تمكن من استيفاء القصاص فکان لالامام ان يستوفی القصاص ان شاء وان شاء صالح علی الدیۃ ولیس له ان يعفو بغير مال لانه نصب لاستيفاء حق المسلمين لا لأبطاله (مبسوط ج ۱۰ ص ۲۱۹) ہدایہ میں ہے وموجب ذالك المائم والقود الا ان يعفو الاولياء او يصلحوا الا ان الحق بهم (ج ۴ ص ۵۴۳) علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں وصرح حوافی کتاب الجنایات ان السلطان لا یصح عفوہ عن قاتل من لا ولی له وانما له القصاص والصالح وعالله فی الايضاح ماہر نصب ناظمہ اولیس من النظر للمستحق العفو الخ۔ اس کی شرح میں علامہ حموی فرماتے ہیں لان الحق للعامۃ والامام نائب عنهم فیها هو انظر بهم ولیس من النظر اسقاط حقهم مجاناً (قولہ وانما له القصاص والصالح) ای الدیۃ (الاشاہ والنظار ص ۱۴۵) نیز علامہ ابن نجیم الولایۃ الخاصۃ اقوی من الولایۃ العامۃ کے تحت لکھتے ہیں وللولی الخاص استيفاء القصاص والصالح والعفو مجاناً والامام لا یملك العفو (الاشاہ والنظار ص ۱۷۸)

آیت مذکورہ میں قتل مظلوماً کے تحت امام بھصاص لکھتے ہیں وفی فحوی الآیة ما لا یبدل علی ان المراد القود دون ما سواه لانه قال (ومن قتل مظلوماً فقد جعلنا لولیه سلطاناً فلا یسرف فی القتل انه کان منصوراً) یعنی واللہ اعلم السرف فی القصاص بان یقتل غیر قاتله او ان یمثل بالقاتل فیقتل علی غیر وجه المستحق من القتل وفی ذلك دلیل علی ان المراد بقوله سلطاناً القود (احکام القرآن ج ۱ ص ۱۵۷) بخاری شریف میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ومن قتل له قتیل فهو بخیر النظرین اما یودی واما ان یقاد اهل القتیل (ج ۱ ص ۲۲) علامہ عثمانی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وقال المہلب وغیرہ یستفاد من قوله "فهو بخیر النظرین" ان الولی اذا سئل فی المعفو علی مال ان شاء قبل ذلك وان شاء اقتص وعلی الولی اتباع الاولی و لیس فیہ ما یبدل عملی اکراه القتاتل علی بذله الدیة کذا فی فتح الباری ج ۱۲ ص ۱۸۴ (اعلاء السنن ج ۱ ص ۷۶)

محلّی میں ہے عن عمر بن الخطاب قال لا یمنع السلطان ولی الامام ان یعفو ان شاء او یأخذ العقل ان اصطلحوا علیہ ولا یمنعہ ان یقتل ان ابی الا القتل بعد ان یحق القتل فی العمد اه (اعلاء السنن ج ۱ ص ۱۱)

حاصل یہ ہے کہ ولی مقتول کو قصاص کا حق حاصل ہے اگرچہ سلطان اس کے حق کے وصول کرنے میں مانع ہو کیونکہ ولی کی ولایت خاصہ ہے اور سلطان کی ولایت عامہ ہے اور ولایت خاصہ قوی ہوتی ہے نسبت ولایت عامہ کے اس لئے جب تک ولی کو راضی نہ کیا جائے اس وقت تک سلطان کو نہ تو دیہ لینے کا حق حاصل ہے اور نہ ہی قصاص کے معاف کرنے کا اس کو اختیار ہے۔

ترمذی شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قال قتل رجل فی عهد رسول اللہ ﷺ فبلغ القتال الی ولیہ الخ (ترمذی ج ۱ ص ۱۶۹) ابو داؤد شریف میں ہے کنت عند النبی ﷺ اذ جئی برجل قتال فی عنقه النسعة قال فدعا ولی المقتول فقال اتعفو قال لا قال افتأخذ الدیة قال لا قال افتقتل قال نعم قال اذهب به فلما کان فی الرابعة قال اما انک ان عفوت عنه یؤء باثمہ واثم صاحبہ

قال فعفا عنه الحديث (بذل المجہود شرح ابو داؤد ج ۵ ص ۱۶۳)

آنحضرت ﷺ نے قاتل کو مقتول کے ولی کے سپرد کر دیا اور اس کو قصاص لینے کا اختیار دے دیا اور جب تک ولی مقتول نے قصاص کو معاف نہیں کر دیا اس وقت تک قاتل کو خود معافی عطا نہیں فرمائی اور نہ ہی از خود بغیر رضامندی کے قصاص کے بجائے دیت دینے کا حکم فرمایا۔

اس سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ ولی کی رضامندی کے بغیر امام کو قصاص و دیت کے معاملہ میں از روئے شریعت کسی قسم کا اختیار حاصل نہیں ہے۔

ولی کا اصل حق قصاص ہے اور اگر قاتل کی رضامندی ہو تو ولی اس سے مال پر بھی صلح کر سکتا ہے اور اگر چاہے تو قصاص اور مال کے بغیر بھی صلح کر سکتا ہے مگر امام کو قصاص کے معاف کرنے یا قصاص کی جگہ دیت دینے یا مراحم خسروانہ کے طور پر معافی دینے کا شرعاً اختیار حاصل نہیں ہے، البتہ امام اگر ولی مقتول کو قصاص کے معاف کرنے یا دیت دینے کی ترغیب دے کر اس کو معافی یا دیت دینے پر راضی کرے تو یہ مستحسن امر ہے جیسا کہ حدیث ابو داؤد مذکور سے ثابت ہو رہا ہے۔ لیکن بغیر ولی مقتول کی رضامندی کے معافی کا اختیار امام کو حاصل نہیں ہے اور ولی مقتول جب قصاص کا مطالبہ کرتا ہے اور شرعی طریقہ پر قصاص کا حق ثابت بھی ہو چکا ہے تو پھر امام کو اس کے حق کو وصول کرنے میں مانع نہیں ہونا چاہئے جیسا کہ اعلیٰ السنن کے حوالہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد گزر چکا ہے اور حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ ومن قتل عمداً ففقد بدیۃ فمن حال بینہ و بینہ فعلمہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین (الخصاص ج ۱ ص ۱۵۰)

اور دوسری حدیث میں ہے کہ ولی مقتول کے معاف کرنے کے سوا قتل عمد کی سزا قتل ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں قال رسول اللہ ﷺ العمد قود الا ان یعفو ولی المقتول (الخصاص ج ۱ ص ۱۵۰) یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے والمراد بالمعفو العفو عن القصاص (اعلاء السنن ج ۱۸ ص ۷۵)

واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

سید عبدالشکور رندی عفی عنہ

۳۰ رذوالحجہ ۱۴۰۸ھ

تعارف و تبصرہ

نام رسالہ: دُعا موس رسالت ﷺ عاشقان مؤلف: محبوب گل یاسر صفحات: ۳۱
ناشر: قلم قافلہ (رجسٹرڈ) تنگی ضلع چارسدہ قیمت: درج نہیں ہے۔

اس رسالہ میں گستاخان رسول ﷺ کے عبرت ناک انجام کو واقعات سے واضح کیا گیا ہے۔
آج کل چونکہ نبی علیہ السلام کے گستاخانہ و توہین آمیز خاکے شائع کئے جا رہے ہیں اس لئے یہ سعی بہت مفید و نافع ہے، اس کو پڑھ کر ان شاء اللہ ایمانی غیرت و حمیت بیدار ہوگی۔ رسالہ کے آخر میں حضور ﷺ کی تعریف میں چند منتخب نعتیہ کلام اور جن بعض حضرات نے دُعا موس رسالت ﷺ پر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا ان کی مدح و توصیف بھی مذکور ہے۔ واضح رہے کہ یہ رسالہ پشتو زبان میں ہے (مولانا عبدالوہاب)
نام کتاب: خطبات شیخ الحدیث ترتیب: حافظ مولانا بلال اشرف صاحب صفحات: ۲۶۰
ناشر: ادارہ اشرف الابداد جامعہ صیائے العلوم اسلام نگر ملتان روڈ لاہور قیمت: درج نہیں ہے
زیر تبصرہ کتاب مخدوم العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا نذیر احمد رحمہ اللہ خلیفہ مجاز عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمہ اللہ، بانی جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد کے دس مواعظ حسنہ کا حسین مرقع ہے جن کے موضوعات اور مواد اپنے اندر ایک خاص کشش رکھتے ہیں۔

جو آدمی اصلاح و عمل کے ارادہ سے پڑھے گا ان شاء اللہ قیمتی و نفیس ترین موتیوں کا بے بہا خزانہ حاصل کر لے گا اور فکر آخرت و ترغیب اعمال صالحہ اور گناہوں سے نفرت میں ان شاء اللہ ان خطبات کا مطالعہ سخت دھوپ کی تمازت میں محبوب ترین مشروب سے بڑھ کر مفید و نافع ہوگا۔

یاد رہے کہ کتاب کے شروع میں حضرت رحمہ اللہ کا مختصر سوانحی خاکہ بھی شامل اشاعت ہے۔

نام رسالہ: بسم اللہ الرحمن الرحیم فیوض و برکات مؤلف: جناب محمد یامین صاحب صفحات: ۴۲
ملنے کا پتہ: مکان نمبر آر۔ ۳۰۵۱ بلاک نمبر ۲ میٹروول تھری گلزار بھری گلشن اقبال ٹاؤن کراچی

اس رسالہ میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنے کے چند فوائد اور فیوض و برکات مذکور ہیں جن کا تعلق عملیات سے ہے اور ان کی سند میں بعض غیر معروف کتابوں کا حوالہ بھی ہے قارئین پر لازم ہے کہ کسی عالم سے تحقیق کر کے ان وظائف سے استفادہ کریں۔